شاہراہِ بہشت

تالیف

مولانا امیر حمزہ

عقیدہ لائبریری
www.aqeedeh.com

یہ کتاب عقیدہ لائبریری سے ڈاؤن لوڈ کی گئی ہے.

www.aqeedeh.com/ur/

E-mail: book@aqeedeh.com

بعض مفید اسلامی ویب سائٹس:

www.aqeedeh.com
www.sadaislam.com
www.zekr.tv
www.kalemeh.tv
www.ahlehaq.org/hq
www.islamhouse.com
www.eeqaz.com
www.tauheed-sunnat.com
www.islamic-forum.net
www.khatm-e-nubuwwat.com
www.kitabosunnat.com
www.muhammadilibrary.com
www.islamqa.info/ur
www.quran-o-sunnah.com
www.deeneislam.com
www.nadwatululama.org

شاہراہِ بہشت

ایک ایسی کتاب جس کے بارہ ایڈیشن شائع ہو کر بے شمار لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن چکے ہیں۔مگر موجودہ ایڈیشن جو آپ کے ہاتھ میں ہے اس میں تین نئے مضامین کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔
کتاب میں درج تمام احادیث صحیح لائی گئی ہیں۔آیات اور احادیث پر اعراب لگا دیئے گئے ہیں۔جو دلائل دیے گئے ہیں ان میں سے بعض کے ثبوت دیتے ہوئے ان کی نقلیں شائع کر دی گئی ہیں۔
سابقہ مضامین میں بھی مفید اور مدلل اضافے کیے گئے ہیں۔یوں اس کتاب کا نام تو پرانا ہی ہے مگر اب یہ ایک نئی کتاب ہے جو پہلے سے کہیں زیادہ موثر ہو گی (انشاءاللہ)

دارالاندلس ® اسلام کی نشرواشاعت کا عالمی مرکز
۴۔لیک روڈ، چوبرجی لاہور، پاکستان
Ph: 92-42-7230549 Fax: 92-42-7242639 www.dar-ul-andlus.com

مسنون خطبہ

﴿ إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ
مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا
اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ
وَرَسُوْلُهٗ اَمَّا بَعْدُ: فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ
الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ
مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ﴾[4]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا
وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○[1] يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ
مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا
كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○[2] يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ○ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○[3]

---

١ آل عمران : ١٠٢/٣ـ ٢ النساء : ١/٤ـ ٣ الاحزاب : ٧٠/٣٣ـ٧١ـ
٤ صحیح مسلم، کتاب الجمعة،باب خطبته ﷺ فی الجمعة: ١٥٣/٦ـ ابوداؤد، کتاب السنة،باب فی لزوم السنة۔نسائی، کتاب صلاة العیدین باب کیف الخطبة۔ابن ماجه،باب اجتناب البدع والجدل۔ دارمی،باب اتباع السنة۔مسند احمد: ١٢٧/٤ـ١٢٦ـ

”بلاشبہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اس سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں۔ ہم اپنے نفوس کے شر اور اپنی بداعمالیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے اپنے در سے دھتکار دے اس کے لیے کوئی رہبر نہیں ہو سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ معبودِ برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

حمد وصلوٰۃ کے بعد یقیناً تمام باتوں سے بہتر بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور تمام کاموں سے بدترین کام وہ ہیں جو (اللہ کے دین میں) اپنی طرف سے نکالے جائیں، دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی کا انجام جہنم کی آگ ہے۔

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔“

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور (پھر) اس جان سے اس کی بیوی کو بنایا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور انہیں (زمین پر) پھیلایا۔ اللہ سے ڈرتے رہو جس کے ذریعے (جس کے نام پر) تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں (کو قطع کرنے) سے ڈرو (بچو)۔ بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔“

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ایسی بات کہو جو محکم (سیدھی اور سچی) ہو، اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

www.esnips.com/user/islam-urdu

فہرست

❀ عرض ناشر..15
❀ تقدیم..17
❀ جب میں کعبہ میں بیٹھا تھا......!!...19

باب اول

''مزارات'' رسول اللہ ﷺ کی نظر میں

❀ مزارات رسول اللہ ﷺ کی نظر میں..22
❀ اچھی بات کو متکبر ہی ٹھکراتا ہے..23
❀ اچھی بات کو مومن ہی مانتا ہے..24
❀ کائنات کی سب سے قیمتی دولت..25
❀ شیطان کا ڈاکا اور قوم نوح کے ''پنج تن''..................................27
❀ ابلیسی ڈاکے کا ایک اور انداز، منظّم خانقاہی نظام کا نفاذ......................28
❀ آستانے قرآن کے آئینہ میں..31
❀ پتھری اور کاغذی تصویریں..33

www.esnips.com/user/islam-urdu

❀ کاغذی بتوں کی پرستش.......................................33
❀ قبر پرستی کے نئے نئے انداز...................................35
❀ قبر پرستی کے مقامات پر اللہ کی عبادت 37
❀ مشرک کا المیہ...39
❀ پختہ قبر انسانیت کے منافی فعل ہے 41
❀ صدر پاکستان کو ایک اہم دینی مشورہ 42
❀ کسی بزرگ کی قبر کو قبرستان سے الگ بنانا، شرک کے قدم جمانے کے مترادف ہے .43
❀ آخرت کی یادیں، کہاں؟ مزاروں پر یا قبرستانوں میں؟ 45
❀ کیا یہاں آخرت کی یاد آسکتی ہے؟ 48
❀ بیت اللہ کے ساتھ محاذ آرائی 51
❀ جب سلطان عبدالعزیز کے جواب نے قبوں کا کباب بنا دیا.................51
❀ آخری لمحات میں رسول ﷺ کی وصیت 52
❀ ''قیامت'' قبر پرستوں پر قائم ہوگی 53

باب دوم

ہجویری مزار سے الٰہی دربار تک

❀ ایک ایسے کردار کی سچی داستان جو ابھی حیات ہے...........................56
❀ داتا دربار کی طرف روانگی کیسے ہوئی؟...................................58
❀ دربار پر حاضری...59
❀ حضرت کے ذکر کی تپش...60

www.esnips.com/user/islam-urdu

❀ رہبانیت کی انتہا 61
❀ حضرت معین الدین چشتی اور ایک فاحشہ عورت 61
❀ جب تک داتا قبر سے نکل کر بغل گیر نہ ہوگا 63
❀ منزل کی قربت کا اشارہ ہوا مگر ابھی تو وہ بہت دور تھی 64
❀ ابھی جھاڑو دینے اور حضرت کا تھوک کھانے کی منزلیں باقی تھیں 65
❀ بابا جی کے احکامات 67
❀ پہلا حکم ...... مجھے غسل دو 68
❀ دوسرا حکم ...... بلیوں کا بچہ بلیوں والی سرکار کے پاس چھوڑ کر آؤ 68
❀ تیسرا حکم ...... میرا فضلہ اٹھاؤ 70
❀ عجیب تبرک 71
❀ چوتھا حکم ...... بھکاری بن کر بھیک مانگو 73
❀ آخر کار مایوس کن جگہ سے مایوس ہی لوٹنا پڑا 74
❀ آہ! لوگ میری پستی کو ولایت کی معراج سمجھ بیٹھے 76
❀ مایوسی کے بعد امید کی کرن 77
❀ اصلی داتا دربار کی تعمیر 78

باب سوم

عیسائیوں اور مسلمانوں کی نعتیں

❀ حضرت محمد ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام کو "الہٰ" بنانے کی ایک جیسی کوششیں 82
❀ جادو سروں کا چھا گیا 82

❀ آؤ موج منایے 83
❀ تجھے جب بھی پکارا 84
❀ عیسایت کا پیغام مسلمان فنکاروں کے ذریعہ 84
❀ مسلمانوں کی نعتوں کے چند نمونے 88
❀ ''گن'' تے کل دی گل اے 92
❀ عیسائیوں کی ''گن'' 94
❀ عابدہ خانم کی نعت 95
❀ عیسائی میلادیوں کا پختہ اعتقاد، مسلم میلادیوں کا شکی خیال 100
❀ میلادیوں کے عقائد سے مشابہ عیسائیوں کے چند نمائندہ اشعار 103
❀ ''کتا'' بننے میں تقدم وترقی 103
❀ کاش! مجھے کتے کھا جاتے 106
❀ روٹیوں، بوٹیوں، تھالیوں، کتوں اور گدھوں کو سلام 107
❀ سلام 108
❀ آئینۂ حقیقت میں ایک نظر 110
❀ کیا ہم نعت کے خلاف ہیں؟ 112
❀ نعت، جس سے رسول ﷺ نے منع کردیا 114
❀ قیامت کا منظر 117

باب چہارم

مسلمانوں اور عیسائیوں کی میلادی عیدیں

❀ کرسمس ڈے اور عید میلاد النبی ﷺ تاریخ کے آئینہ میں 121

❀ جب میں چرچ میں پہنچا تو 123
❀ چرنی کیا ہے؟ 124
❀ عید میلاد کی رسومات پادریوں کی نظر میں 125
❀ کرسمس فادر کی روایت نے کیسے جنم لیا؟ 125
❀ ''کرسمس ٹری'' کی بدعت کب اور کیسے شروع ہوئی؟ 126
❀ جشن عید میلاد النبی ﷺ 127
❀ وفات کے دن جشن..........!! 127
❀ جشن میلاد النبی ﷺ کب اور کیسے شروع ہوا؟ 129

باب پنجم

کلمۂ توحید

❀ کلمۂ ایمان کی اہمیت 141
❀ ''لا'' کا قرآنی مفہوم 142
❀ قانون الٰہی کے مخالف کی مخالفت 143
❀ قابل غور وفکر اور قابل عمل نکتہ 146
❀ مشرکوں نے پیغمبر اور اس کی ماں کو ''الٰہ'' بناڈالا 148
❀ قوم نوح نے اولیائے کرام کو ''الٰہ'' کا مرتبہ دے دیا 149
❀ قوم ابراہیم نے ''اصنام'' پتھر کی تصاویر کو اپنا ''الٰہ'' بنالیا 150
❀ لوگ ''الٰہ'' کیوں بناتے ہیں 151
❀ خودساختہ الٰہوں کی ٹھاٹھ باٹھ اپنے مریدوں کی محتاج ہے 152
❀ عبادت کیا ہے؟ 154
❀ بدنی عبادت اللہ کے لیے ہے 155

❀ ذکر ودعا اور فریاد ونعرے سب زبانی عبادتیں ہیں............................157
❀ نذر ونیاز اور صدقات بھی مالی عبادات ہیں.................................160
❀ نذر ونیاز اور ایصال ثواب کی رسومات میں شرک کی آمیزش...............162
❀ قرآن میں ''الٰہ'' کے معانی داتا، دستگیر، غوث الاعظم، بھی ہیں.............165
❀ ایک شبہ کا ازالہ..166
❀ اللہ ہی مشکل کشا ہے...167
❀ اللہ ہی بگڑی بنانے والا ہے..167
❀ اللہ ہی غوث الاعظم ہے..168
❀ اللہ ہی غریب نواز ہے...169
❀ اللہ ہی داتا ہے...170
❀ اللہ ہی گنج بخش ہے..170
❀ اللہ ہی دستگیر ہے..171
❀ بزرگوں کو القابات کس نے دیے؟...172
❀ لا الٰہ الا اللہ کا تقاضا..173
❀ کون ہے جو لا الٰہ الا اللہ کے تقاضوں پر لبیک کہے؟.......................173
❀ الوہیت کے اختیارات کا دعویٰ کرنے والے کی سزا.........................175
❀ اے انسان! اپنے پروردگار کو پہچان..177
❀ جنت کی چابی لا الٰہ الا اللہ...180

باب ششم

نولکھ ہزاری کے مجاور کی کہانی

❀ شرک کی دلدل میں پھنستے ایک گدی نشین کی دلچسپ آپ بیتی.............184

❀ نولکھ ہزاری کا مفہوم..185
❀ تعارف..186
❀ ایک دلخراش واقعہ..187
❀ سرکار کے حالات زندگی اور چند کرامتیں..188
❀ نولکھ ہزاری ڈنڈا..188
❀ سکھوں سے مشابہت..189
❀ جب مرید قابل اعتراض حالت میں رنگے ہاتھوں پکڑے گئے!..190
❀ پیشاب سے نہانے کی برکتیں!!..190
❀ متبرک راکھ..191
❀ مشرکین مکہ کا عقیدہ..191
❀ میں کیسے تائب ہوا..193
❀ تقلید سے تحقیق کی طرف..194
❀ شیطان کا جال..196
❀ گھر آنے پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے..197
❀ میرا ردعمل..197
❀ کڑوی بات..198

باب ہفتم

اصلی داتا دربار کی تلاش میں!!

❀ داتا دربار کا تاریخ کے آئینہ میں ایک حقیقت پسندانہ جائزہ..200
❀ اصلی داتا دربار..201
❀ علی ہجویری کی قبر شاہی قلعہ میں ہے، بھاٹی چوک میں نہیں!!..203

❀ دولہے کی قبر پر......!! 208
❀ قوالی ہاؤس کا منظر 209
❀ نقلی دربار کی طرف 211
❀ خزانوں کا مالک 212
❀ قبروں کے مجاور 213
❀ شاہ ایران، ذوالفقار علی بھٹو اور سونے کا گیٹ 214

باب ہشتم

مسلمانوں کے ''ولی'' عیسائیوں کے ''سینٹ''

❀ مسلمانوں کے ''ولی'' عیسائیوں کے ''سینٹ'' 218
❀ پیر بغداد والے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تصاویر 220
❀ عیسائی راہبوں کی عجیب وغریب باتیں 224
❀ پہلی خصوصیت سے متعلق 224
❀ دوسرے عجوبے سے متعلق 226
❀ فقر کے پردے میں دنیا پرستی 227
❀ فطرت کے خلاف جنگ کا نتیجہ 228

عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ. اَمَّا بَعْدُ !

''**شاهراه بهشت**'' مولانا امیر حمزہ حفظہ اللہ کی کتاب ہے، قبر پرستی اورتصوف کے نتیجہ میں پھیلنے والا شرک اس کا موضوع ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو امت مسلمہ کے وجود کو گھن کی طرح کھائے جارہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے بے شمار انبیاء کو کفر وشرک کے خاتمہ اور توحید کے غلبہ کے لیے مبعوث فرمایا۔سب سے آخر میں پیغمبر آخرالزماں ﷺ تشریف لائے،آپ ﷺ کی ۲۳ سالہ نبوت کی زندگی کا ماحصل بھی یہی ایک مسئلہ تھا۔آپ ﷺ نے مسئلہ توحید کی خاطر بڑی سے بڑی تکالیف برداشت کیں لیکن زندگی کے آخری سانس تک ائمۃ الکفر سے برسر پیکار رہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مدد فرمائی، مکہ فتح ہوا، حرم بیت اللہ کے اندر رکھے ہوئے بت ٹوٹے اور سرزمین عرب سے بت پرستی اور شرک کا خاتمہ ہوا۔

''**شاهراه بهشت**'' میں مولانا امیر حمزہ حفظہ اللہ نے کتاب وسنت کی روشنی میں عصر حاضر میں مسلمانوں کے اندر سرایت کرنے والے اس بدترین عمل پر ضرب کاری لگائی ہے اور توحید کو دنیا وآخرت کی کامیابیوں کی کلید بتایا ہے۔

کتاب اپنے دلائل و براہین اور انداز تحریر کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے، ہر فرد تک پہنچایا جائے تاکہ کفر و شرک کے اندھیرے چھٹ جائیں اور توحید و سنت کا نور دنیا میں عام ہو جائے۔

امیر حمزہ حفظہ اللہ کی اس عظیم کاوش کو "**دارالاندلس**" نے شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے، جس کی تہذیب و تسہیل بھائی محمد اشتیاق اصغر اور بھائی محمد یوسف سراج نے کی ہے اور کمپوزنگ بھائی عبدالخالق اور اجمل طور نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب بھائیوں کی محنت کو قبول فرمائے اور انھیں صراط مستقیم پر قائم رکھتے ہوئے شہادت کی موت سے سرفراز فرمائے۔ (آمین!)

محمد سیف اللہ خالد

مدیر "**دارالاندلس**"

٢٣ رجب ١٤٢٥ھ

تقدیم

پروفیسر حافظ محمد سعید حفظه الله

برصغیر کا مذہبی مزاج صوفیانہ رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند میں مزار اور قبر پرستی کو ''تصوف'' کے نام پر بہت فروغ ملا ہے۔ لوگ بڑے اخلاص سے اولیاء وصلحاء کی قبروں پر نذر و نیاز دیتے ہیں اور بڑے بڑے میلے اور عرس یہاں کی مذہبی ثقافت بن چکے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس علاقے میں ہندوازم کے سائے بہت گہرے ہیں اور یہاں کے وہ لوگ جو ہندوؤں سے مسلمان ہوئے، وہ رسم و رواج اور مذہب کے معاملے میں بھی ہندو ہی کی پیروی کرتے دکھائی دیتے ہیں اور شیطان نے ان چیزوں کو ان کے لیے اس قدر مزین اور خوبصورت کر کے پیش کیا ہے کہ وہ انہی رسموں اور بدعتوں کو دین سمجھنے لگے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ مولویوں نے بدعات کو مساجد و مدارس سے پیش کر کے انھیں سند جواز بھی مہیا کر دی ہے۔ غرض اسلام شرک و بدعت کی جس وبا کو ختم کرنے آیا تھا، اب وہی وبا اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے نظر آتی ہے۔ خاص طور پر پیری مریدی کی وبا میں بے شمار لوگ اپنا ایمان، مال اور عزتیں تک برباد کرا رہے ہیں۔ واضح ہے کہ ایسے معاشرے میں توحید کی دعوت اور سنت کے احیا کی کس قدر ضرورت اور محنت درکار ہے۔ مگر......افسوس ناک امر یہ ہے کہ اس وقت توحید کے داعی اور سنت کے علمبردار بھی جمہوری سیاسی محنت میں اس قدر مگن ہیں اور ممبری کے حصول کی جدوجہد میں اس حد تک کوشاں ہیں کہ وہ پیغمبرانہ دعوت کو یا تو بھول چکے

ہیں یا پھر سیاسی مجبوریوں نے ان کی زبانیں بند کر رکھی ہیں اوران کے قلم روک رکھے ہیں۔ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ شرک وبدعت کے خلاف بولنے یا لکھنے سے کہیں ہماری سیاسی ساکھ کو نقصان نہ پہنچے، جو ان کے خیال کے مطابق اسلام کے دفاع کے لیے ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ سے بالا ہے کہ شرک وبدعت کی مخالفت سے اسلام کو نقصان پہنچتا ہے تو اس پر خاموشی اسلام کے لیے کس طرح مفید ہے!!

زیرنظر کتاب ''شاہراہ بہشت'' بھی انقلابی داعیانہ مضامین پر مشتمل ہے، جن کا اسلوب ثقیل علمی اورتحقیقی رنگ کی بجائے دعوتی رنگ اپنائے ہوئے ہے اور اس میں ایسا اسلوب اختیار کیا گیا ہے جو ہمارے معاشرے کے موجودہ حالات کے مطابق ہے۔مولانا امیرحمزہ صاحب نے ان مضامین کو کتابی شکل میں مرتب کرکے توحید کی طرف دعوت دینے کا جذبہ رکھنے والے عام لوگوں کے لیے بھی موقع فراہم کردیا ہے کہ وہ اس کتاب کا خود مطالعہ کریں اوراسے زیادہ سے زیادہ پھیلا کر کاروان توحید میں اضافہ کریں تا کہ اللہ کے ہاں اجر وثواب پائیں۔

جب میں کعبہ میں بیٹھا تھا......!!

معزز قارئین ! یہ کتاب سات مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کا موضوع توحید کی دعوت اور شرک و بدعت سے آگاہی ہے۔ اہل توحید کہ جن کے سینوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ کی مخلوق کو شاہراہ بہشت پر چلانے کا داعیانہ اور پیغمبرانہ جذبہ موجزن ہے ، ان سے میری گزارش ہے کہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں شائع کرنے کے لیے ہمارے ساتھ تعاون کریں تا کہ بھولی بھٹکی انسانیت راہ راست پر آجائے...... ذرا غور کریں اصحاب شرک شرکیہ نذریں مان کر درباروں پر لاکھوں کروڑوں روپیہ برباد کرتے ہیں، کیا اہل توحید اللہ کی محبت میں ایسے دعوتی مضامین کو چھپوانے کی نذریں نہیں مان سکتے کہ جنھیں درباروں پر تقسیم کر کے لوگوں کو حقائق سے آگاہ کیا جائے؟ بحمدللہ اس کتاب کے گیارہ کے قریب ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ بے شمار لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے توحید کے نور سے منور فرمایا۔ بیت اللہ میں بیٹھے مجھے انڈین بھائیوں نے بتلایا کہ کتنے ہی لوگ اس کتاب کو پڑھ کر زیور ایمان سے آراستہ ہوئے اور انڈیا میں اس کتاب کی فوٹو کاپیاں کرا کے تقسیم کی گئیں۔ بحمدللہ موجودہ ایڈیشن میں

تین نئے مضامین کا اضافہ کر دیا گیا ہے، ضعیف احادیث نکال کر صحیح احادیث لائی گئی ہیں۔ زیر نظر ایڈیشن کو تین نئے مضامین کے اضافوں کے علاوہ بھی بعض اضافوں کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے...... دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جن سے وہ راضی ہو۔ (آمین!)

امیر حمزہ

نومبر ۱۹۹۸ء لاہور

باب نمبر ۱

''مزارات'' رسول اللہ ﷺ کی نظر میں

بھائیو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان نعمتوں میں سے ایک کان بھی ہے۔ آپ نے اب تک اس سے اربوں کھربوں باتیں سنی ہوں گی، مگر آج ہم آپ سے ایک بات سننے کی درخواست کرتے ہیں اور یہ بات ہماری نہیں بلکہ اس ذات کی بات ہے جس نے آپ کو کان جیسا آلہ عنایت فرمایا ہے اور اس کے ذریعہ سننے کی قوت و دیعت فرمائی ہے۔ تو ذرا سنیے اپنے سمیع وعلیم رب کی بات:

فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿١٨﴾ (الزمر: ١٧-١٨)

میرے پیغمبر! میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دو جو بات غور سے سنتے ہیں اور جو اچھی بات ہوتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کی رہنمائی اللہ نے کی ہے اور یہی صاحب عقل لوگ ہیں۔''

یعنی پہلی شرط غور سے سننا ہے اور پھر وہ اچھی بات ہو تو اس کو اختیار کر لینا عقلمندوں کی نشانی بتلائی گئی ہے، سیدھی راہ بھی انہی لوگوں کا حصہ ہے اور جنت کی خوشخبریاں بھی ایسے لوگوں کے لیے ہیں۔ اب اچھے ذہن میں فوراً یہ بات آئے گی کہ اچھی بات کہاں سے ملے گی اور کس کی بات اچھی ہو گی؟ چنانچہ اچھا ذہن رکھنے والوں نے جب کائنات کی سب سے

بہترین کتاب قرآن کو کھولا تو اچھی بات کی فکر پیدا کرنے والے مالک نے خود بتلایا:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ ﴿٢٣﴾ (الزمر:٢٣)

''اللہ نے سب سے اچھی بات نازل فرمائی ہے۔''

اور پھر اچھی بات بتانے والے کی صفت بھی یوں بیان فرمادی:

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ ﴿٣٣﴾ (حم السجدۃ:٣٣)

''اور اس شخص سے زیادہ اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف دعوت دے۔''

یعنی اچھی بات تو اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی ہے، نہ کہ اس شخص کی جو اپنی ذات کی طرف، اپنے کمالات کی طرف، اپنی برتر نسل اور برادری کی طرف یا کسی شخص یا گروہ کی طرف دعوت دے۔

اب یہ اچھی بات جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کی صورت میں اپنے رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا، اسے سورۂ ''محمد'' میں اپنی طرف سے حق کا نام دیا اور پھر جو لوگ اس حق کو مان لیں، ان کے گناہوں کو مٹانے اور ان کے احوال کو درست کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

اچھی بات کو متکبر ہی ٹھکراتا ہے:

اب جو لوگ اس حق کو سننے کے باوجود نہ مانیں، ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب کا اظہار یوں فرمایا:

يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا ۖ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٨﴾ (الجاثیۃ:٨)

''اسے اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، وہ انھیں سنتا تو ہے لیکن پھر تکبر کرتے ہوئے اڑ جاتا ہے، جیسے اس نے انھیں سنا ہی نہیں (میرے رسول!) ایسے شخص کو

درد ناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔‘‘

معلوم ہوا جو حق کو سننے کے باوجود اسے نہ مانے، وہ اللہ کے ہاں تکبر کرنے والا ہے۔ اب یہ تکبر کیا ہے؟ چنانچہ اس کے بارے جب اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے اس کی توضیح یوں فرمائی:

((وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ مَنْ بَطِرَ الْحَقَّ وَ غَمِطَ النَّاسَ))

(ابو داود، كتاب اللباس، باب ما جاء في الكبر : ٤٠٩٢ ـ مسند احمد : ٤٢٧/١)

’’تکبر کرنے والا وہ ہے جو حق کو ٹھکرا دے اور لوگوں کو حقیر جانے یعنی حق پیش کرنے والوں کو حقیر سمجھ کر حق کو ٹھکرا دینے والا ہی متکبر ہے۔‘‘

اچھی بات کو مومن ہی مانتا ہے :

اس کے برعکس جو لوگ حق کو سنتے ہی اسے پہچان کر اپنے اللہ کی طرف بے اختیار لپکتے اور دوڑتے ہیں اور تکبر کو قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتے، ذرا ان کی فطری کیفیت اور والہانہ حالت کو بھی ملاحظہ فرمایئے:

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٣﴾

(المائدة:٨٣)

’’جو رسول ﷺ کی طرف نازل کیا گیا ہے جب وہ اسے سنتے ہیں تو آپ ﷺ دیکھتے ہیں کہ حق کو پہچان جانے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ’’اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، ہمیں (حق کی) شہادت دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔‘‘

اللہ ذی شان نے ان کی اس شان کو دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا:

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۩ ﴿١٥﴾ (السجدۃ: ۱۵)

''بلا شبہ ہماری آیات پر ایمان تو وہ لوگ لاتے ہیں کہ جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔''

کائنات کی سب سے قیمتی دولت:

حق سننے اور دیکھنے کے بعد اگلا مرحلہ ایمان کی دولت سے سرفراز ہونے کا مرحلہ ہوتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں انسان کا دشمن شیطان اپنا پورا زور صرف کرتا ہے، ایمان لانے کی صورت میں مومن کو آنے والے مالی نقصانات سے ڈراتا ہے، جان کو درپیش خطرات سے آگاہ کرتا ہے، اس کی موجودہ حیثیت و مقام اور مرتبہ کے جاتے رہنے کا اندیشہ اس کے دل میں ڈالتا ہے اور اس قسم کے دوسرے حقیر اور فانی فائدوں کی فہرستیں اس کے سامنے پیش کرتا جاتا ہے اور ان کے بدلے اس دولت سے اسے دور رکھنے اور روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے جو اس ساری کائنات سے قیمتی دولت ہے اور وہ اتنی گراں اور قیمتی ہے کہ اس کی قیمت سے خود عرش والے رب نے اپنے رسول ﷺ کی امت کو آگاہ فرما دیا ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک بندے کو ساری کائنات کے سامنے لائیں گے اور اس کے سامنے ننانوے رجسٹر پھیلا دیے جائیں گے۔ ہر رجسٹر انتہائے نظر تک پھیلا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: ''کیا جو کچھ ان میں لکھا ہوا ہے تو اس کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے لکھنے والے محافظوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟'' وہ کہے گا: ''نہیں، اے میرے رب!'' اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: ''تیرا کوئی عذر ہے؟'' کہے گا: ''نہیں، اے میرے رب!'' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''کیونکہ (نہیں) تیری ایک نیکی

ہمارے پاس ہے اور تجھ پر آج ظلم نہیں ہوگا۔'' تو پھر ایک کاغذ کا ٹکڑا نکالا جائے گا، جس پر "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ " درج ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''ترازو کی طرف چلو۔'' وہ کہے گا: ''اے اللہ! یہ ٹکڑا اتنے بڑے رجسٹروں کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''ظلم نہیں ہوگا۔''

راوی بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِیْ كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتِ وَ ثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ وَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ شَیْءٌ))

(ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فیمن یموت وهو یشهد ان لا اله الا الله: ۲٦۳۹ ۔ مسنداحمد: ۲/۲۱۳)

''تمام رجسٹر ترازو کے ایک پلڑے میں اور یہ کاغذ کا ٹکڑا دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا، رجسٹروں کا پلڑا ہلکا ہوکر اوپر اٹھ جائے گا اور کلمے کے ٹکڑے والا پلڑا بھاری ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کوئی چیز بھاری نہیں ہوسکتی۔''

اب جس نے شیطان کی تمام بندشوں کو پاش پاش کر کے بغیر کسی تاخیر کے ایمان کے مضبوط کڑے کو تھام لیا، اس نے شیطان کو روتا ہوا چھوڑا اور کائنات کی سب سے قیمتی دولت کو پالیا۔

آدم کے بیٹے کا دشمن بھلا کب باز آنے والا تھا۔ وہ نئے نئے ہتھیاروں سے لیس ہوکر بار بار حملہ آور ہوتا رہا، مگر جو اس دولت کو پا چکا تھا اور اس کی قدر جان چکا تھا، اس کی حلاوت اور مٹھاس کو چکھ چکا تھا، اس پر شیطان کا کوئی ایک وار بھی کارگر نہ ہوسکا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو اس شیرینی سے آشنا ہو چکے تھے احد، احد کا نعرہ بلند کرتے رہے، مگر شیطان کا نمائندہ امیہ امام کائنات ﷺ کے اس محبوب یار سے کائنات کی سب سے قیمتی دولت چھین نہ سکا۔

شیطان کا ڈاکا اور قوم نوح کے ''پنج تن'' :

انسان کے دشمن شیطان نے ایک طویل المیعاد منصوبہ بندی کی اور اس منصوبے کے مطابق وہ آدم علیہ السلام کے بیٹوں پر حملہ آور ہوا۔ یہ حملہ اس نے کس انداز سے کیا اس کی تفصیل مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی ہے۔ اس میں وہ قرآن کی سورۂ نوح میں مذکور قوم نوح کے ''پنج تن'' ''ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر'' کی حقیقت کے بارے میں فرماتے ہیں :

''یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگ تھے، جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو یہ بات سمجھائی کہ یہ نیک لوگ جس جگہ بیٹھتے تھے...... وہاں بطور یادگار پتھر نصب کرو اور اس پتھر کو ان کے نام سے پکارو، لہٰذا انھوں نے ایسا ہی کیا۔ جب اگلے لوگ مر گئے اور علم ان سے جاتا رہا، تب ان کی اولاد نے ان کی یادگاروں کی عبادت شروع کر دی۔''

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب "ودا و سواعا و لا یغوث ویعوق: ٤٩٢٠)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''اکثر سلف صالحین نے بیان کیا ہے کہ جب وہ مر گئے تو پہلے یہ لوگ ان کی قبروں کے مجاور بنے، پھر ان کی تصاویر بنائیں، پھر زمانہ دراز گزرنے پر ان کی عبادت کرنے لگے۔''

شیطان کے اس وار کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ انھوں نے آ کر آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو شیطان کی چال سے باخبر کیا اور ایمان کی دولت کو پیش کیا مگر اس قوم نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عالمگیر طوفان بھیج کر قبروں کے ان مجاوروں اور پرستاروں کو ملیامیٹ کر دیا۔

ابلیسی ڈاکے کا ایک اور انداز' منظّم خانقاہی نظام کا نفاذ:

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جن جن گمراہ قوموں کا ذکر کیا ہے، ان کے حالات یہی بتلاتے ہیں کہ ان میں سے شیطان نے جس قوم کو بھی گمراہ کیا...... زندہ اور مردہ بزرگوں کی پوجا پاٹ ہی سے گمراہ کیا اور بہکایا۔ یہ بات بھی قرآن کے مطالعہ سے واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان گمراہوں کی ہدایت کے لیے جس وقت، جس پیغمبر کو بھی بھیجا اس نے اپنی قوم کو بزرگ پرستی کے اس شرکیہ راستے سے ہٹانے میں اپنی کوششوں کو صرف فرمایا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مبعوث فرمایا۔ آپ علیہ السلام بھی اپنے سے پہلے انبیاء کی طرح اپنی قوم یہود کو توحید کی طرف بلاتے رہے، مگر المیہ یہ ہوا کہ آپ علیہ السلام کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد خود وہ لوگ جو آپ علیہ السلام کو مان کر عیسائی کہلائے، انھوں نے آپ علیہ السلام پر نازل شریعت پر چلنے کے بجائے صوفیت ایجاد کر لی۔

ان کے اس فعل کا اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا ہے:

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۖ (الحدید: ۲۷)

''اور انھوں نے صوفیت کی بدعت ایجاد کر لی، ہم نے انھیں یہ حکم نہیں دیا تھا مگر (انھوں نے اپنے خیال میں) اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش میں (خود ہی) ایسا کیا' پھر اسے نباہنے کا جو حق تھا وہ بھی ادا نہ کر سکے۔''

یاد رہے ان عیسائی صوفیوں کا مقصد رضائے الٰہی کی تلاش تھا' مگر اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو ذریعہ بنانے کی بجائے اپنی طرف سے صوفیت (رہبانیت) کا طریقہ ایجاد کرلیا۔ یہ اصحاب طریقت تارک الدنیا اور درویش بن گئے، مگر ان کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ یہ لوگ اس کے بعد اپنی ایجاد کردہ صوفیت کا پاس بھی نہ کر سکے اور الٹا درویشی اور فقر کے روپ میں دنیا دار بن گئے اور مریدوں کی نذروں و نیازوں

پر پلتے پلتے دولت کے حریص، بلکہ پجاری بن گئے۔ حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کی خانقاہیں اور آستانے بے حیائی اور بدمعاشی کے اڈے بن گئے۔

پھر ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ یہ اولیائے کرام بغیر سرمایہ لگائے اس نفع بخش خانقاہی کاروبار میں اتنی دور تک چلے گئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف یعنی (غار) والے نوجوان موحدین کے ذریعے انھیں توحید کی طرف پلٹنے کا ایک سنہری موقع فراہم کیا تو یہ لوگ بجائے عقیدۂ توحید قبول کرنے کے الٹا شرک کی دلدل میں اور زیادہ دھنس گئے۔

ہدایت حاصل کرنے کا جو موقع ان صوفیوں نے ضائع کیا اور اس وقت انھوں نے جو طرز عمل اختیار کیا' اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

إِذْ يَتَنَٰزَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَٰنًا رَّبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾
(الكهف: ٢١)

''جب کہ وہ (عیسائی) آپس میں اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ ان (غار والوں) کے ساتھ کیا کیا جائے؟ کچھ لوگوں نے کہا: ''ان پر ایک عمارت تعمیر کر دو، ان کا رب ہی ان کے معاملے کو بہتر جانتا ہے۔'' مگر جو لوگ ان کے معاملے پر غالب تھے، انھوں نے کہا: ''ہم تو ان پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے۔''

یعنی انھیں نام نہاد روحانی کاروبار چمکانے کے لیے ایک سنہری موقع ہاتھ آ گیا تھا اور پوجنے کے لیے اللہ کے چند نیک بندے مزید میسر آ گئے تھے، جو اس غار میں گہری نیند سو چکے تھے۔

لوگو! یہ بات بھولنے نہ پائے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امت کو متنبہ فرمایا، حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وفات پانے سے پانچ دن قبل یہ فرماتے ہوئے سنا:

((أَلَا وَ إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَاءِ هِمْ وَ صَالِحِيهِمْ

مَسَاجِدَ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنْهَاكُم عَنْ ذَلِكَ ﴾

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المسجد علی القبور واتخاذ الصور فیها ...... الخ : ۵۳۲)

''خبردار! تم سے پہلے جو لوگ تھے انھوں نے اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا، خبردار! تم قبروں کو عبادت گاہ نہ بنانا، میں تمھیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔''

اللہ کے رسول ﷺ کے منع کرنے کے باوجود گمراہ قوموں کی دیکھا دیکھی آپ ﷺ کی امت کے جو لوگ قبر پرستی پر مبنی خانقاہی نظام کے شغل میں مشغول ہو جائیں گے، ان کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی پیش گوئی بھی ملاحظہ ہو، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَ ذِرَاعًا ذِرَاعًا حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ، قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ! الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى؟ قَالَ فَمَنْ ؟ ﴾

(صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب قول النبی ﷺ لتتبعن سنن من کان قبلکم ۷۳۲۰۔ صحیح مسلم، کتاب العلم، باب اتباع سنن الیهود والنصاری:۲۶۶۹)

''تم بہر صورت پہلی امتوں کی پیروی میں ایسے برابر ہو جاؤ گے جیسے بالشت برابر بالشت کے اور ہاتھ برابر ہاتھ کے، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں جا داخل ہوئے تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! کیا یہودی اور عیسائی مراد ہیں؟'' آپ ﷺ نے جواب دیا: ''تو اور کون ہیں؟''

یہود و نصاریٰ کے طرز عمل کو ایک نظر دیکھیے کہ کیسے انھوں نے صوفیت ایجاد کی، خانقاہی

نظام بنایا اور نیک لوگوں کی قبریں پوجنے کو اپنا شعار اور امتیاز بنایا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے سچے نبی ﷺ کی پیش گوئی صداقت کو بھی بغور دیکھتے جایے کہ آج مسلمان کہلانے والی قوم نے کس طرح قرآن اور اپنے نبی ﷺ کی احادیث کو ایک طرف رکھ دیا اور صوفیت کی بدعت کو ایجاد کرڈالا۔ پھر اس کے کئی سلسلے، قادریہ، سہروریہ، چشتیہ وغیرہ کی صورت میں ایجاد کیے اور ہر سلسلے کا دوسرے سلسلے سے جدا اور الگ طریق کار بنایا گیا۔ مختلف سلسلوں کے مختلف بانی وجود میں آئے ۔ پھر ان بانیوں کو پیران طریقت کا نام دیا گیا اور یہ سارا دھندا اور جال اللہ کی رضا کی تلاش میں بنایا گیا۔

پھر ان سلسلوں کے علمبر دار مزارات کے مجاور اور گدی نشین بنے۔ باپ کے بعد بیٹے اور بیٹے کے بعد پوتے نے اپنی روحانی گدی کو حاصل کیا۔ پھر ان مزارات پر بیٹھنے والی اس روحانی فوج کی مالی حالت کو دیکھیں تو ان میں سے بعض کروڑ پتی اور ارب پتی ہیں، محلات کے مالک ہیں اور ان کی شاہ خرچیاں امیر اور دولت مند ملکوں کے شہزادوں کو بھی مات کیے ہوئے ہیں اور جہاں تک ان کی اخلاقی حالت کا تعلق ہے وہ پوچھنے والی بات ہی نہیں ہے، کیونکہ یہ روحانیت کے مراکز ہیں ۔ ہاں! البتہ ان روحانی مراکز کی ''روحانی حرکتیں'' آئے دن اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں، جب کہ مزارات پر ان حرکات کا کھلے عام مشاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہیں عالم روحانیت اور صوفیت کے بادشاہ اور شہزادے جو اپنے سالانہ عرسوں (شادیوں) پر لاکھوں کروڑوں کی نیازیں وصول کر کے' اپنے مریدوں کو روحانی فیوض و برکات سے مستفید کرنے کے دعوے کرتے ہیں اور درحقیقت یہ ہیں وہ لوگ جو اللہ کے رسول ﷺ کی پیش گوئی پر سو فیصد پورا اترتے ہیں اور یہودیوں اور عیسائیوں کی قبر پرستانہ آواز بازگشت کو اپنے ولیوں کے قبوں میں سناتے دکھلائی دیتے ہیں۔

آستانے قرآن کے آئینہ میں:

آیئے ! اب ذرا فرقان حمید میں ان آستانوں کا مقام تلاش کریں اور دیکھیں کہ اللہ کی

اس آخری کتاب نے جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے، ان مزارات اور آستانوں کو کس نظر سے دیکھا ہے؟ تاکہ ہم بھی انھیں اسی نظر سے دیکھیں جس نظر سے انھیں قرآن نے دیکھا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ (المائدۃ:۳)

’’تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر مشہور کر دیا جائے حرام کر دیے گئے ہیں اور جو جانور گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا جسے کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو، سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ نیز یہ بھی تمھارے لیے ناجائز ہے کہ پانسوں کے ذریعہ سے اپنی قسمت معلوم کرو، یہ سب گناہ کے کام ہیں۔‘‘

یہ کل گیارہ چیزیں ہیں جنھیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے اور ان گیارہ چیزوں میں سے جو جانور کسی آستانے پر ذبح کیا جائے، اسے بھی حرام قرار دیا ہے، جب کہ آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے اسی سورۂ کی آیت (۹۰) میں آستانوں کے وجود ہی کو حرام کے الفاظ سے بھی بڑھ کر گندگی کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے اور پھر اسے شیطانی عمل قرار دیا ہے اور مومنوں کو خاص طور پر مخاطب کر کے اس گندے کام سے الگ رہنے کی تلقین فرمائی ہے اور پھر الگ رہنے کی صورت میں کامیابی کی نوید بھی سنائی ہے۔ اب اللہ عزوجل کا یہ فرمان ملاحظہ فرمایئے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (المائدۃ:۹۰)

''اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے بچو تاکہ تم کامرانی حاصل کرو۔''

اب اللہ کے اس فرمان کی روشنی میں تمام اقوام کے خانقاہی نظام کی حقیقت کو جاننے کے لیے تاریخ کی ورق گردانی کرلیں اور موجودہ خانقاہوں اور آستانوں کو بھی دیکھ لیں۔ یہاں جمع ہونے والی بھیڑ میں عقیدے کا گند نظر آئے گا۔ عقیدے کے گند کے ساتھ ساتھ ہمیں جسم کے گند کے آثار اور مظاہر بھی دیکھنے کو ملیں گے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ جس کام کی ابتدا شیطان کرنے والا ہو اور جس کام کو عرش والا شیطانی کام کا نام دے، بھلا اس میں سوائے گند اور بدبو کے اور ہو بھی کیا سکتا ہے!

پتھری اور کاغذی تصویریں:

آپ ملاحظہ فرما چکے کہ نوح علیہ السلام کی قوم میں شرک شروع ہوا تو بزرگوں کی تصویروں سے شروع ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید کے آڑے آنے والی یہی بزرگوں کی تصویریں ہی تھیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا ہوا تو بیت اللہ میں رکھی ہوئی بزرگوں کی انہی تصویروں سے ہوا حتیٰ کہ ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی تصویریں بھی تھیں۔ چنانچہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنے زمانے میں بزرگوں کی تصاویر کا ستیا ناس کیا تھا، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جد امجد خلیل اللہ اور ذبیح اللہ علیہما السلام کی تصویروں سمیت تمام بزرگوں کی تصویروں کو برباد کیا۔

کاغذی بتوں کی پرستش:

یہ تصویریں بنانے' سجانے اور لگانے والے اور پھر ان کی عبادت کرنے والے تو تھے کفار اور مشرکین، مگر آج اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کی حالت بھی ان سے مختلف دکھائی نہیں دیتی۔ مزید تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

یہ ایران کے شیعہ ہیں، اپنے آپ کو اسلامی انقلاب کے داعی کہلاتے ہیں، ان کا راہبر

خمینی جو کہ ۵ مئی ۱۹۹۰ء کو دنیا سے کوچ کر چکا ہے، یہ اس کی ہدایت پر اس کی تصویروں کو سینے سے چمٹائے' گلے سے لگائے' بیت اللہ میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سعودی عرب کے موحد لوگ اس توحید کے مرکز کعبہ کو جسے اللہ کے رسول ﷺ نے تصویروں سے پاک کیا تھا' بھلا ان تصویروں کو کیونکر گھسنے دیں گے!! مگر یہ ہیں کہ اللہ کے پاک گھر کو کاغذی بتوں کی آلودگیوں سے آلودہ کرنے سے باز نہیں آرہے۔

اسی طرح ہمارے ملک پاکستان میں یہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی تصویر ہے۔ مشرکوں کے عقیدہ کے مطابق بارہ سال پہلے ڈوب جانے والی کشتی کے نیچے ہاتھ دے کر اسے ساحل پر لگا رہے ہیں۔ اب یہ ان کی مشکل کشائی کو ظاہر کرنے والا کاغذی بت دکانوں پر بکتا ہے اور گھروں میں لٹکایا جاتا ہے۔

اسی طرح یہ ایک اور بزرگ کی تصویر ہے، اس کا سارا جسم ننگ دھڑنگ ہے۔ صرف ایک معمولی سی لنگوٹی پہنے ہوئے ہے اور جانوروں میں گھرا ہوا ہے۔ کئی تصویروں میں بزرگ شیروں پر سوار دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے مزارات کی تصاویر بھی دکھائی دیتی ہیں۔

اچھا! تو اب کئی توحید کا نعرہ لگانے والے اور اقامت دین کا پرچم بلند کرنے والے بھی شیطان کے اس تصویری جال میں بری طرح پھنسے دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ اپنے بڑوں اور شہیدوں کی تصاویر کو گھروں کی زینت بنائے بیٹھے ہیں۔ ان کاغذی بتوں کو رنگین چھپوا کر اپنے جلسوں میں فروخت کر کے طریق آزری کو تقویت دے رہے ہیں۔ اس باطل فعل کے ساتھ حق کے کچھ کلمات لکھ کر حق و باطل کی ملاوٹ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ باطل اس وقت تک پنپ نہیں سکتا جب تک اسے حق کا کچھ سہارا نہ دیا جائے۔

یہ کن لوگوں کے لچھن ہیں جو اس امت نے اختیار کر لیے ہیں اور جن لوگوں نے یہ اختیار کیے تھے انھیں اسلام کس نام سے یاد کرتا ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک زبان

سے سنیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ وَ أُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرُ فَذَكَرَتَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أُولٰئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ فَأُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

صحيح بخاری، كتاب الصلوٰة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية...... الخ : ٤٢٧ ـ مسلم ، كتاب المساجد و مواضع الصلوٰة، باب النهی عن بناء المسجد علی القبور : ٥٢٨)

''ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے حبشہ میں عیسائیوں کا گرجا دیکھا' جس میں تصویریں آویزاں تھیں، تو انھوں نے اس کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا تو یہ لوگ اس کی قبر کے پاس عبادت گاہ تعمیر کر دیتے اور پھر اس میں اس شخص کی تصویریں لٹکا دیتے۔ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے ہاں بدترین مخلوق ہیں۔''

قبر پرستی کے نئے نئے انداز:

شیعہ حضرات ہر سال تعزیہ نکالتے ہیں۔ اس تعزیہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کاغذوں سے تیار کردہ مصنوعی مزار بناتے ہیں اور اپنے جلوس میں ''یا حسین'' کا شرکیہ نعرہ بلند کرتے ہوئے اسے اٹھائے پھرتے ہیں۔ اس پر چڑھاوے اور نذر و نیاز نچھاور کرتے ہیں۔ اسی طرح کچھ دوسرے قبر پرست اپنے اپنے بزرگوں کے شاندار مزارات کی تصاویر کو اپنے گھروں کی زینت بنائے ہوئے ہیں۔ یعنی قبر پرستی کی یہ مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں جو رواج پا چکی ہیں اور قبر پرستی کے یہ وہ مختلف مظاہر ہیں جنھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ''وثن'' کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے رب سے اپنی قبر کو ’’وثن‘‘ (بت، عبادت کی جگہ) نہ بننے دینے کی یوں دعا مانگی:

« اَللّٰهُمَّ لَا تَجۡعَلۡ قَبۡرِیۡ وَثَنًا یُعۡبَدُ اِشۡتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوۡمٍ اتَّخَذُوۡا قُبُوۡرَ أَنۡبِیَاءِ هِمۡ مَسَاجِدَ »

(مؤطا امام مالك، كتاب قصر الصلوٰة فى السفر، باب جامع الصلوٰة : ٨٥)

’’اے اللہ! میری قبر کو وثن نہ بننے دینا کہ اس کی پوجا ہونے لگے۔ اس قوم پر اللہ کا غضب بھڑک اٹھتا ہے جو اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیتی ہے۔‘‘

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا اور آپ ﷺ کی قبر کو عرس، میلے، طواف، چڑھاوے اور نذر و نیاز وغیرہ سے محفوظ رکھ کر وثن بننے سے بچا لیا۔

علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

مگر اب لوگوں کے شرکیہ ذہنوں نے ایک نیا طریقہ ایجاد کر لیا ہے، جائے نماز پر مسجد نبوی کی تصویر بنا دی جاتی ہے اور اس کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کی قبر کی تصویر بھی ہوتی ہے۔ ایسے ہی اس قسم کی تصاویر مسجدوں اور گھروں میں بھی آویزاں نظر آتی ہیں۔ بہر حال یہ فعل اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کے صریحاً خلاف ہے اور جیسے شیعوں کے کاغذی تعزیے کی تصویر اور دیگر بزرگوں کے مزارات کی تصویریں قبر پرستی کی علامت ہیں، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی قبر کی تصویر کو یوں جائے نماز کی زینت بنانا اور گھروں میں لٹکانا بھی قبر پرستانہ فعل ہے کہ جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور اب ایرانی شیعوں نے تو خمینی کا مزار کعبہ کے مشابہ بنا ڈالا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک)

قبر پرستی کے مقامات پر اللہ کی عبادت:

ہمیں معلوم ہے کہ ہماری مندرجہ بالا بات بعض لوگوں کو ناگوار گزرے گی، مگر حقیقت یہ ہے کہ جہاں قبر پرستی کے عقیدے یا فعل کا معمولی سا شک وشبہ بھی ہوسکتا تھا، آپ ﷺ نے پیشگی حفاظت کے طور پر اس مقام، عقیدے یا فعل سے انتہائی سختی کے ساتھ اپنی امت کو دور کر دیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ابوداؤد کی صحیح حدیث ملاحظہ فرمائیں، حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّنْحَرَ اِبِلاً بِبُوَانَةَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ نَذَرْتُ اَنْ أَنْحَرَ اِبِلاً بِبُوَانَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قَالُوْا لَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ»

(سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذر، باب ما یؤمر به من الوفاء بالنذر: ۳۳۱۳)

''ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ بوانہ نامی مقام پر جا کر چند اونٹ نحر کرے گا، وہ شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہا: ''میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ جگہ اونٹ نحر کروں۔'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''نہیں! آپ ﷺ نے پھر پوچھا: ''کیا وہاں ان مشرکوں کے میلوں میں سے کوئی میلہ (عرس) لگتا تھا؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''نہیں!'' تب آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی نذر کو پورا کرلے۔''

آپ نے ملاحظہ کیا کہ کس طرح اللہ کے رسول ﷺ ان مقامات پر اللہ کی خالص عبادت سے بھی منع فرماتے نظر آرہے ہیں کہ جہاں پہلے کبھی شرک ہوتا رہا ہے اور یہ احتیاط اس لیے روا رکھی گئی ہے تاکہ اللہ کی عبادت کا معاملہ خلط ملط اور شرک کے ساتھ گڈمڈ نہ ہو جائے اور نہ

شرک کے ساتھ کسی قسم کی ایسی مشابہت ہو جو لوگوں کے لیے کسی غلط فہمی کا سبب بنے۔

اب جب کہ ایسی معمولی سی مشابہت بھی اللہ کے رسول ﷺ کو گوارا نہیں تو جہاں واضح شرک ہو رہا ہو...... وہاں اللہ کی عبادت کیسے گوارا کی جاسکتی ہے؟ آخرت کی سوچ رکھنے والوں کے لیے یہ بات انتہائی غور و فکر کی متقاضی ہے۔

اس موقع پر یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ اگرچہ ''وثن'' کے لفظ میں عرس اور میلہ بھی شامل ہے مگر چونکہ میلہ مشرکوں کا بڑا دل پسند اور محبوب مشغلہ ہے، لہٰذا اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ''وثن'' کے علاوہ بطور خاص میلے کے بارے بھی پوچھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ منکرات اور فواحشات کو پھیلانے والی یہ وہ انتہائی قبیح حرکت ہے کہ جس سے رسول اللہ ﷺ کی پاک اور نفیس طبیعت کو انتہائی نفرت تھی، اسی لیے تو آپ ﷺ نے اپنی امت کو واضح طور پر اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

((لَا تَتَّخِذُوا قَبرِیْ عِیدًا))

(مسند احمد : ۲/۳٦۷)

''میری قبر پر عرس (میلہ) نہ لگانا۔''

پھر دیگر لوگوں کی قبروں کے بارے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

((لَا تُصَلُّوا إِلَی الْقُبُورِ وَ لَا تَجلِسُوا عَلَیهَا))

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النهی عن الجلوس علی القبر والصلوٰة علیه : ۹۷۲)

'' قبروں کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھو اور نہ ہی ان پر سجادہ نشین بن کر بیٹھ جاؤ۔''

اور یہ سجادہ نشینی اللہ کے ہاں کتنا بڑا جرم ہے، اللہ کے رسول ﷺ ہی کی زبان سے سن لیجیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَأَنْ یَّجلِسَ أَحَدُکُم عَلَی جَمرَةٍ فَتُحرِقَ ثِیَابَهُ فَتَخلُصَ إِلیٰ جِلدِهِ

خَيُرٌ لَهُ مِنُ أَنُ يَّجُلِسَ عَلَىٰ قَبُرٍ))

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النھی عن الجلوس علی القبر والصلوٰۃ علیه : ۹۷۱)

''اگر تم میں سے کوئی شخص کسی انگارے پر بیٹھے اور وہ انگارا اس کے کپڑوں کو جلا دے، پھر اس کے بدن کو جا لگے تو یہ (آگ) اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی قبر پر سجادہ نشین بنے۔''

مشرک کا المیہ:

شرک کرنے والے کا المیہ یہ ہے کہ جس طرح دنیا کی باقی چیزیں دیکھی اور چھوئی جاتی ہیں اسی طرح وہ اپنے معبود کو دیکھنا اور چھونا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے وہ مزارات پر جا گرتا ہے۔ اب جو مزار جتنا زیادہ خوبصورت اور چمک دمک والا ہوگا، وہ قبر پرستانہ ذہن کے لوگوں سے اتنا ہی زیادہ آباد اور پر رونق ہوگا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان مقابر کو سجانے اور چمکانے دمکانے کی جتنی کاریگریاں ہو سکتی تھیں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے عمل اور فرمان سے ان سب کو جڑ سے ہی اکھاڑ پھینکا تا کہ ''نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((نَهَى رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ اَنُ يُّجَصَّصَ الُقَبُرُ وَ أَنُ يُّقُعَدَ عَلَيُهِ وَ أَنُ يُّبُنَى عَلَيُهِ))

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النھی عن تجصیص القبر والبناء علیه : ۹۷۰)

''اللہ کے رسول ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے سے منع فرمایا اور اس بات سے بھی کہ اس پر مجاور بن کر بیٹھا جائے اور اس پر عمارت تعمیر کی جائے۔''

ایک حدیث میں ہے:

((نَهَى رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ اَنُ يُكُتَبَ عَلَى الْقَبُرِ شَيُءٌ))

(ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی النھی عن البناء علی القبور:۱۵۶۳)

''رسول اللہ ﷺ نے قبر پر کچھ بھی لکھنے سے منع فرمایا ہے۔''

سنن نسائی کی حدیث میں ہے:

((نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّبْنَى عَلَى الْقَبْرِ اَوْ يُزَادَ عَلَيْهِ))

''رسول اللہ ﷺ نے قبر پر عمارت بنانے اور زائد مٹی ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔''

اسی طرح سنن بیہقی کی روایت میں ہے:

((وَ لَا يُزَادُ عَلَى حَفِيْرَتِهِ التُّرَابُ))

(سنن الکبریٰ مع الجواهر النقی، کتاب الجنائز، باب لایزاد فی القبرعلی اکثر من ترابه لئلا یرتفع جدًا : ۳/ ۴۱۰)

''قبر پر (اس مٹی کے علاوہ) زیادہ مٹی نہ ڈالی جائے۔''

پختہ قبر انسانیت کے منافی فعل ہے:

کچھ عرصہ ہوا کہ چین کے بارے خبر آئی تھی اور پھر ۲۹ جون کو ''نوائے وقت'' میں کوریا کے بارے خبر تھی کہ وہاں جگہ کی کمی کے باعث لوگوں نے مردوں کو دفنانے کی بجائے جلانا شروع کر دیا ہے۔ کچھ ایسی ہی صورت حال اب ہمارے ہاں کے بڑے شہروں میں بھی رونما ہو چکی ہے، جہاں قبروں کے حصول کے لیے دشواریاں پیش آ رہی ہیں اور بعض جگہوں پر تو اچھے خاصے پیسے خرچ کرنے کے بعد قبر کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ پکی قبروں کا چلن عام ہے۔ آبادی کے اعتبار سے قبرستانوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، لہٰذا مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

لیکن اگر سنت رسول ﷺ کے مطابق تمام قبریں کچی بنائی جائیں تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود ہی پہلی قبریں مٹتی چلی جائیں ۔ قیامت کے روز ایک ایک قبر سے ستر ستر آوازیں آنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ قبروں پر قبریں بنتی چلی جائیں۔ اس طرح مشکلات

پیش نہ آئیں اور فضول خرچی کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ شریعت کی مخالفت بھی نہ ہو۔

ایک قابل غور حقیقت یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء تشریف لائے ہیں۔ اب ان میں سے جن نبیوں کی قبریں معلوم ہیں ان کی تعداد بمشکل پندرہ بیس کے قریب ہوگی۔ اب اگر قبروں کا باقی رہنا اتنا ہی ضروری ہوتا تو تمام اولاد آدم سے افضل انبیاء کی قبریں باقی اور محفوظ و مامون ہوتیں، مگر ایسا نہیں ہے، تو اس سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ قبروں کو دیر پا بنانا اور ان کی حفاظت و نگہبانی کرتے ہوئے ان کی مجاوری کرنا، اس کی دین اسلام میں کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ یہ اس شریعت کے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے، صریحاً خلاف ہے اور یہ ایک غیر فطری شغل ہے، جس میں غیر فطری نظریات کے حامل لوگ مشغول ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس غیر شرعی فعل کے ساتھ کون سا رویہ اپنایا، مسلم شریف کی حدیث سنیے، حضرت ابوالہیاج اسدی کہتے ہیں کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((أَلَا أَبْعَثُكَ عَلىٰ مَا بَعَثَنِيْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَ لَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ))

(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر: ٩٧٩)

''کیا میں تجھے اس مشن پر روانہ نہ کروں جس پر مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے روانہ فرمایا تھا؟ وہ مشن یہ ہے کہ کسی تصویر کو نہ چھوڑ مگر اسے مٹا دے اور نہ کسی اونچی قبر ہی کو چھوڑ مگر اسے برابر کر دے۔''

صدر پاکستان کو ایک اہم دینی مشورہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہونے کے باوجود اپنے کفن کے لیے پرانی چادر کا انتخاب کیا اور جب ان کی بیٹی نے نئے کپڑے کے کفن کی بات کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''نئے کپڑوں کی زندوں کو زیادہ ضرورت ہے، لہٰذا مجھے یہ پرانا ہی بہتر ہے۔'' چنانچہ آج

بھی پاکستان میں اگر تمام مزارات اور پختہ قبروں کے سنگ مرمر اور وہاں لگا ہوا سونا چاندی اور اینٹوں کو اکھاڑ کر زندہ لوگوں کے کام لایا جائے تو لاکھوں بے گھر غریبوں کے مکان پختہ بن سکتے ہیں اور نئے فوت ہونے والے لوگوں کے لیے قبروں کے حصول میں مشکلات کا مسئلہ بھی بآسانی حل ہوسکتا ہے اور پھر جو خوش نصیب یہ دینی کارنامہ سرانجام دیں گے وہ اللہ کے محبوب اور اس کی مخلوق میں مقبول اور ہر دلعزیز ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ کام دینی بھی ہے اور رفاہی بھی۔ لہٰذا صدر پاکستان اور دیگر رفاہی اداروں کو یہ احسن کام بجا لانے کے لیے سبقت کرنی چاہیے۔

کسی بزرگ کی قبر کو قبرستان سے الگ بنانا، شرک کے قدم جمانے کے مترادف ہے:

حقیقت یہ ہے کہ کسی حضرت یا بزرگ کی قبر کو مسلمانوں کے عام قبرستان سے الگ بنانے سے ہی وہ قبر غیر معمولی اہمیت اختیار کر لیتی ہے اور پھر وہ شرک کے شاہکار کی شکل میں متشکل ہو جاتی ہے۔ اب ایک تو وہ لوگ ہیں کہ جن کا الگ قبر بنانے کا مقصد ہی یہی کھیل کھیلنا ہوتا ہے جب کہ دوسرے کچھ وہ لوگ ہیں کہ جو دعویٰ دار تو توحید کے ہیں مگر اس قسم کے افعال کر بیٹھتے ہیں۔ جیسا کہ جماعت اسلامی والوں نے مولانا مودودی کی قبر کو پہلے منصورہ میں بنانے کی کوشش کی، مگر پھر ان کے گھر والوں کے اصرار پر مولانا کو ان کے گھر ہی میں دفن کر دیا گیا۔ اسی طرح بعض اہل حدیث حضرات نے امیر المجاہدین مولانا عبداللہ کو ان کے مدرسے میں دفن کر دیا۔

اب اگر انھوں نے ایسا اس لیے کیا کہ قبرستان میں دفن کرنے سے کہیں ان کی پوجا نہ شروع ہو جائے، تو حقیقت یہ ہے کہ جو اندیشہ قبرستان میں دفن کرنے سے انھیں لاحق ہوا ہے، وہ قبرستان کی نسبت الگ طور پر دفن کرنے سے کہیں زیادہ ہے اور پھر اگر اس غیر مناسب اندیشے کے پیش نظر بزرگوں کی قبروں کو الگ بنانا شروع کر دیا جائے تو ذرا سوچیے کہ کیا یہ ساری دنیا قبرستان نہ بن جائے گی؟ اور اب مولانا عبداللہ بڈھیمالوی کو بھی عام قبرستان سے

الگ دفن کر کے ان کی قبر کو منفرد بنا دیا گیا ہے۔

یہ غلط روایت جس کی ابتدا توحید کے نام لیواؤں سے ہوئی ہے، اس سے لوگوں نے دلیلیں پکڑنا شروع کر دی ہیں۔ ابھی چند سال قبل ایک مدرسہ کے بانی نے کہ جو نئے نئے اہل حدیث ہوئے ہیں، اپنے مدرسے میں قبر بنانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ جب انھیں اس سے روکا گیا تو انھوں نے اپنے حق میں ماموں کانجن کے مدرسہ کی دلیل پیش کی۔ تب ہم نے انھیں قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح مسئلے سے آگاہ کیا تو وہ اپنا فیصلہ بدلنے پر رضامند ہو گئے۔

باقی رہا اللہ کے رسول ﷺ کی قبر مبارک کے الگ بننے کا معاملہ......تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے، جسے امت کے کسی فرد کے لیے دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ مثال کے طور پر امت کے کسی فرد کے لیے بیک وقت چار سے زائد بیویاں رکھنا حرام ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیک وقت چار سے زائد بیویاں رہی ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد ان سے نکاح حرام تھا جب کہ کسی اور کی بیوی کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے۔ ایسے ہی الگ قبر کے معاملے میں بھی آپ ﷺ کی یہ خصوصیت ترمذی شریف میں مرقوم ہے:

((لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوا فِي دَفْنِهِ فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مَا نَسِيتُهُ قَالَ: مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فِيهِ فَدَفَنُوهُ فِي مَوْضِعِ فِرَاشِهِ))

(ترمذی، کتاب الجنائز، باب این تدفن الانبیاء: ١٠١٨)

"جب رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپ ﷺ کے دفن کے متعلق اختلاف ہو گیا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک

حدیث سنی ہے جسے میں نہیں بھولا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نبی کو وہیں فوت کرتا ہے جس جگہ اسے نبی کا دفن ہونا پسند ہوتا ہے۔اس وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو وہیں دفن کر دیا۔''

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تعدد طرق اور شواہد کی بنا پر قابل حجت ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں فوت ہوئے اور آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق وہیں آپ ﷺ کی قبر بنا دی گئی۔اب یہاں عمارت تو پہلے ہی موجود تھی اور وہ آپ کی پیاری بیوی اور مومنوں کی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی عمارت تھی۔اب رسول اللہ ﷺ کی یہ جو خصوصیت تھی اس کی حکمت کے بارے خود اس حجرے کی مالکہ اور مومنوں کی ماں کی زبان مبارک سے سن لیجیے کہ اس میں کون سی حکمت پوشیدہ تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((لَوْ لَا ذٰلِكَ أُبْرِزَ قَبْرُهُ غَيْرَ أَنَّهُ خَشِيَ اَوْ خُشِيَ أَنْ يُّتَّخَذَ مَسْجِدًا))

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ و ابی بکر وعمر رضی اللہ عنهما ض۳ : ۱۳۸۸)

''اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی قبر ظاہر کر دی جاتی لیکن آپ ﷺ اس سے ڈرے کہ کہیں آپ ﷺ کی قبر عبادت گاہ نہ بنالی جائے۔''

باقی جہاں تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبروں کا تعلق ہے تو وہ اس لیے بنیں کہ وہاں اللہ کے رسول ﷺ کی قبر بن چکی تھی ورنہ کسی بھی صورت ان جلیل القدر صحابہ کی قبریں وہاں نہ بنتیں۔

آخرت کی یادیں، کہاں؟ مزاروں پر یا قبرستانوں میں؟:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم مزارات پر جاتے ہیں، مگر وہاں صرف دعا کرنے جاتے ہیں،

مانگنے کچھ نہیں جاتے،تو ان لوگوں کی خدمت میں چند گزارشات ہیں۔

پہلی تو یہ ہے کہ اس مزار کا پختہ بنایا جانا...... اس پر چادر کا چڑھایا جانا...... دیے کا جلایا جانا...... کتبے کا لگایا جانا اور میلے کا منایا جانا...... یہ سب کچھ اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین کی خلاف ورزی ہے۔

دوسرا یہ کہ آپ ﷺ کے فرمان کی روشنی میں قبروں پر قرآن کی تلاوت منع ہے اور یہاں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے، مزید یہ کہ یہاں مساجد کی صورت میں عبادت گاہیں تعمیر کی گئی ہیں، جن کے بنانے والوں پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

تیسرا یہ کہ یہاں عورتوں کا بڑا رش ہوتا ہے، جن کی بہت بڑی تعداد ننگے منہ اور زیبائش و آرائش سے آراستہ ہوتی ہے یعنی عورتوں کی جو کیفیت بازاروں میں دیکھنے میں آتی ہے وہی بلکہ اس سے بڑھ کر یہاں دکھائی دیتی ہے۔ اس لیے تو اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے اچھی جگہ مسجد کو اور سب سے بری جگہ بازار کو قرار دیا۔ اب یہ حقیقت ہے کہ بازار کی تمام خصوصیات یہاں جلوہ گر ہوتی ہیں۔

چوتھا یہ کہ میلے کے دنوں میں یہاں ناچ گانے، بھنگڑے اور بے حیائی کے تمام مظاہر عروج پر ہوتے ہیں۔

اب اگر ان کو روکنے اور یہاں آنے والوں کو صحیح دین کی تبلیغ کرنے کا حوصلہ اور جرأت آپ میں موجود ہے تو شوق سے جایے اور ضرور جایے...... لیکن اگر ان تمام برائیوں کو دیکھ کر خاموشی سے لوٹ آئیں اور کہیں کہ جی میں تو وہاں دعا کرنے گیا تھا تو سن لیجیے! یہ آپ کی دینی غیرت کی موت ہے اور آپ منکرات میں حصہ دار بن کر آئے ہیں۔ باقی جہاں تک قبروں پر دعا کرنے کا تعلق ہے تو یاد رکھیے وہاں جانے اور دعا کرنے کا ایک مقصد ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے بتلایا ہے۔ لہٰذا اگر وہ مقصد پورا ہو تو جانا ٹھیک ہے ورنہ گناہ کا بوجھ اٹھانے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ قبروں پر جانے کا مقصد جو اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے، سن لیجیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْمَوْتَ))

(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب استيذان النبىﷺ ربه فى زياره قبر أمه : ٩٧٦)

’’قبروں کی زیارت کیا کرو، اس لیے کہ یہ موت کی یاد تازہ کرتی ہیں۔‘‘

اب اللہ کے رسول ﷺ نے مزارات کے بارے نہیں بلکہ قبروں کے بارے کہا ہے کہ وہاں آخرت کی یاد آتی ہے۔ اب حق اور سچ تو یہی ہے کہ قبرستان میں اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق کچی قبریں ہوں، پھر کچھ زمین بوس اور خستہ حال ہوں' وہاں اپنے پیاروں اور عزیزوں کی قبریں بھی موجود ہوں تو آخرت کی یاد دہانی کا مقصد دو چند ہو جائے گا۔ پھر وہاں موجود درختوں کے ہلنے سے شائیں شائیں کی آوازیں آ رہی ہوں۔ یہ سارا منظر انسان کو دنیا کی بے ثباتی اور بربادی کی حقیقت اجاگر کر کے اسے آخرت کی یاد دلائے اور پھر انسان کا اندر گواہی دے کہ کتنی بے ثبات اور ناپائیدار ہے یہ دنیا اور اسے آخرت کی یاد آ جائے اور پھر اس خاموش بستی کے باسیوں کی مغفرت کے لیے اللہ کے حضور ہاتھ بلند کر دے کہ یہ دعا کے محتاج ہیں اور وہ واپس لوٹے تو اس حال میں کہ اس کا دل دنیا میں لگنے کے بجائے آخرت کا ہو کر رہ جائے اور اس حال میں واپس آئے کہ اس کے دل سے گناہوں کا میل آنسو بن کر آنکھوں کے راہ بہہ جائے۔ یوں آتی ہے آخرت کی یاد کہ جسے یاد کرنے کا آخرت کی طرف بلانے والے آخری پیغمبر ﷺ نے حکم دیا ہے۔

اب مزارات کے احوال بھی ملاحظہ فرما لیجیے۔ یہ دیکھنے والے کو ابھی دکھائی دیا نہیں اور دور ہی سے خوشبوؤں کی مہکیں اٹھ رہی ہیں۔ سنگ مرمر سے یہ مزار سجا ہوا ہے، گرمیوں میں پنکھے اور ائر کنڈیشنرز لگے ہوئے ہیں۔ ٹھنڈے پانی اور دودھ کی سبیلیں جاری ہیں۔ حلوے، زردے اور کھیروں کے لنگر تقسیم ہو رہے ہیں۔ عورتوں کے بناؤ سنگھار کے تمام جلوے اپنے

جو بن پر حسن پرستوں کو دعوت نظارہ دے رہے ہیں۔قوال سرنگیوں اور باجوں کے ساتھ لوگوں کو مست کر رہے ہیں...... یہاں قائم ہوٹلوں میں وی سی آر اور ڈش پوری دنیا کا ''گند'' فلموں کے نام پر دکھا رہے ہیں۔

کیا یہاں آخرت کی یاد آسکتی ہے؟:

مسئلے کو ذرا وضاحت سے سمجھنے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کا ایک فرمان ملاحظہ فرمائیں۔مسلم شریف کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مسافر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''وہ لمبا سفر کرتا ہے'' پراگندہ حال' گرد آلود اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی جانب پھیلائے ہوئے کہتا ہے: ''اے میرے رب! اے میرے پروردگار!'' حالانکہ اس کا کھانا حرام کا ہے' پینا حرام کا ہے اور اس کا پہننا حرام کا ہے اور حرام مال ہی سے وہ پلا ہے' تو اس کی دعا کیسے قبول ہو؟''

(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقة من الکسب الطیب و تربیتها : ۱۰۱۵)

بالکل اسی طرح اس مزار پر جہاں سارے کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف ہو رہے ہیں بلکہ حقیقت میں اس مزار کا وجود ہی اللہ سے بغاوت ہے اور پھر یہاں صاحب مزار کو داتا (دینے والا) دستگیر (ہاتھ پکڑنے والا) غوث الاعظم (فریاد کو پہنچنے والا) اور مشکل کشا وغیرہ کے القابات دے کر اللہ کی گستاخی کی جا رہی ہے اور یہاں دعا کے لیے آنے والا ان تمام منکر کاموں میں گھرا ہوا ہے، اسے یہاں اللہ تعالیٰ کے وقار کا کوئی خیال نہیں آتا اور وہ اللہ کی مخلوق کو اس شرک جیسے عظیم ظلم اور گناہ کے ارتکاب سے منع نہیں کرتا، تو انصاف سے بتلا یئے! اس کی دعا کا یہاں کون سا موقع ہے؟ اس کی دعا تو ایسے ہی ہے کہ

ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا

اور ذرا غور تو فرمایئے! کہ شیطان شرک کی اس منڈی میں لوگوں کے ایمانوں کا سودا کر رہا ہے اور یہ بے چارہ ہے کہ شرک کی منڈی میں شرک کے بازار میں دعا کرنے کا مسئلہ پوچھ

رہا ہے۔ یاد رکھیے! یہاں اس حال میں دعا کرنا اللہ کے ہاں بھی جرم ہے اور لوگوں کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ وہاں جانے والے سمجھیں گے کہ جیسے ہم حضرت سے فریاد کرنے آئے ہیں یہ بھی آیا ہے۔ دوسری طرف یہ صاحب شرک کے اس مرکز پر اپنا فریضہ ادا کیے بغیر یہاں سے چلتا بنے گا تو اللہ کے ہاں مجرم اس طرح ٹھہرا کہ یہ اس منڈی کی شرکیہ رونق میں اضافے کا سبب بنا اور یہاں اپنے مالک کی گستاخی اور توہین کو دیکھ کر خاموشی سے چلتا بنا۔ یہ اگر یہاں اپنے رب کی توحید کو بیان نہیں کر سکتا تھا، یہاں ہونے والی بے ہودگیوں کی اصلاح نہیں کر سکتا تھا، تو اس سے بہتر تھا کہ یہاں آتا ہی نہ۔

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے شرک کے ان اڈوں اور ایسی مقدس جگہوں سے کہ جہاں شرک کا شائبہ ہو یا جو جگہیں شرک کا ذریعہ بن سکتی ہوں، ان کی طرف جانے سے اپنی امت کو سختی سے منع فرما دیا اور صرف تین جگہوں کی طرف ثواب کی غرض سے سفر کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

« لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَسْجِدِ الْأَقْصَى وَ مَسْجِدِيْ»

(صحيح بخاری، كتاب فضل الصلوٰة فى مسجد مكة والمدينة، باب مسجد بيت المقدس : ١١٩٧ـصحيح مسلم، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره : ٨٢٧)

”تین مساجد کے علاوہ کسی بھی جگہ کی طرف سفر کا سامان نہ باندھا جائے، مسجد حرام (بیت اللہ)، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد (مسجد نبوی)۔“

اب ان تین جگہوں کا تعین اللہ کے رسول ﷺ نے کر دیا ہے اور ان جگہوں کی زیارت کے ثواب سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔ چنانچہ اب کسی بھی اور جگہ کو یہ مرتبہ دینا کہ لوگ دور دراز سے چل کر وہاں جائیں اور اس مقام کو مخصوص کر کے وہاں ثواب کا اعتقاد رکھیں، یہ شریعت

میں جائز نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو لوگوں کو ان جگہوں سے بھی روکتے تھے جن کا کسی نبی سے تعلق رہا ہوتا تھا کہ کہیں یہ شرک کا ذریعہ نہ بن جائے۔ حضرت قزعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اَرَدتُّ الْخُرُوْجَ إِلَى الطُّوْرِ فَسَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى وَ دَعْ عَنْكَ الطُّوْرَ فَلَا تَأْتِهِ))

(اخبار مكة للإ زرقي، باب ذكر حد المسجد الحرام وفضله وفضل الصلوٰة فيه : ٦٦/٢ ـ علامه ناصر الدين البانی رحمه الله فرماتے هيں اس حديث کے راوی صحيح کے راوی هيں)

''میں نے طور کی طرف (زیارت کے لیے) جانے کا ارادہ کیا تو میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق پوچھا (کہ ایسا کرنا کیسا ہے؟) تو انھوں نے جواب دیا: ''اللہ کے رسول ﷺ نے ان تین مقامات کے علاوہ کسی اور جگہ کی طرف ثواب کے ارادہ سے (زیارت کے لیے) جانے سے منع فرمادیا ہے۔ وہ تین مقامات مسجد الحرام (بیت اللہ)، مسجد الاقصیٰ (بیت المقدس) اور مسجد نبوی ہیں۔ اس لیے (اس حدیث کی روشنی میں، اے قزعہ!) تو زیارت کے لیے طور کی طرف نہ جا۔''

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے دور میں ہوتے تو کیا ثواب کے لیے مزاروں اور درباروں پر جانے کی اجازت دیتے؟

مزید برآں اس فرمان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی جگہ کو یہ رتبہ دے دیا جائے اور وہاں خالص اللہ ہی کی عبادت بجالائی جائے اور شرک کا ارتکاب بھی نہ کیا جائے اور اس جگہ کسی کا مزار بھی نہ ہو...... تب بھی یہ فعل اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے صریحاً خلاف ہوگا۔ مگر ذرا غور فرمایئے! ایسے مقامات کے بارے، جو ہیں ہی بزرگوں کے مزارات اور شرک کے اڈے، ان کی طرف اللہ کے رسول ﷺ نے نہ صرف جانے سے منع فرمایا ہے بلکہ انھیں گرا دینے کا

حکم دیا ہے۔تو ایسے مقامات کی طرف سفر کرنا اللہ ذوالجلال کے ہاں کتنا بڑا جرم ہوگا؟

بیت اللہ کے ساتھ محاذ آرائی:

حقیقت یہ ہے کہ ایسا مقام بنانا اور اس کی طرف جانا، اپنی طرف سے چوتھی جگہ کا اضافہ کرنا ہے اوران تین جگہوں کی اہمیت کو کم کرنا ہے۔ جہاں تک اللہ کے گھر کعبہ کا تعلق ہے تو اس کی اہمیت کو کم کرنے کی مہم تو جاری ہے اور زور شور سے جاری ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کعبہ کو''شریف'' کہا مگر آج مزاروں کے حوالے سے ہر شہراور ہر گاؤں شریف بن چکا ہے۔ پھر جو کچھ بیت اللہ میں کیا جاتا ہے وہی مزارات پر دہرایا جاتا ہے۔ بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ترمذی اورنسائی کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے کعبہ کے گرد طواف کو نماز کی مثل قرار دیا ہے۔ اب یہاں قبر کے گرد پھیرے لگا کر صاحب قبر کی عبادت کی جاتی ہے۔وہاں حجر اسود کو بوسہ دیا جاتا ہے، یہاں حضرت کے مزار پر لگے ہوئے سرخ وسفید پتھروں کو چوما جاتا ہے۔ وہاں ملتزم کے ساتھ چمٹ کر اپنے اللہ سے فریادیں کی جاتی ہیں تو یہاں مزار کے ستونوں کے ساتھ لپٹ کر حضرت کے نام کی دہائیاں دی جاتی ہیں۔ وہاں سال میں دو دفعہ کعبہ کو غلاف پہنایا جاتا ہے تو یہاں سال میں بے شمار مرتبہ حضرت کے مزار کو رنگ برنگی اور سنہری چادروں سے سجایا جاتا ہے۔ بیت اللہ کو غسل دیا جاتا ہے تو یہاں جناب علی ہجویری صاحب کے مزار کو پچاس پچاس من عرق گلاب سے دھویا جاتا ہے۔ وہاں لبیک لبیک کہہ کر اللہ کے حضور حاضری کا اعلان کیا جاتا ہے تو یہاں شرکیہ اشعار اور قوالیاں گا کر تلبیہ کی نقل اتار لی جاتی ہے۔غرض ہر میدان میں اللہ کے گھر کا مقابلہ دکھائی دیتا ہے اور نادان دوستوں نے کعبہ کے مقابلے میں بے شمار کعبے بنا کر ابرہہ کے کام کو خوب رواج دیا ہے۔

جب سلطان عبدالعزیز کے جواب نے قبوں کا کباب بنا دیا:

ترکوں کے زمانے میں یہی کچھ عرب کی پاک سر زمین میں بھی ہو چکا ہے۔ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر بزرگوں کے مزارات بنا کر ان سے اسی قسم کا سلوک روا رکھا گیا تھا۔تب اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کو امام محمد بن عبدالوہاب اور محمد بن سعود کی صورت میں دو توحید کے فرزند عطا فرمائے۔ایک کو توحید کے علم وعمل سے نوازا جب کہ دوسرے کے ہاتھ میں توحید کی تلوار کو تھمایا اور اپنے پیارے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو پھر اس کی اصلی صورت میں سرزمین حجاز میں جلوہ گر فرما دیا۔ پھر دوبارہ شاہ فیصل کا باپ، ابن سعود کا فرزند سلطان عبدالعزیز سعودی عرب میں خادم الحرمین الشریفین بنا اور اس نے باقی رہے سہے شرکیہ مقامات اور مزارات سے بھی سرزمین عرب کو پاک صاف کر دیا۔تب برصغیر کے بعض مولوی سلطان کو اس مقدس دینی کام سے ہٹانے گئے تو سلطان نے ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اگر تم قرآن کی کوئی ایک آیت یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایک فرمان ان مزاروں کے حق میں لے آؤ تو میں انھیں سونے چاندی سے آراستہ کر دوں گا۔''

مزارات کی نمائندگی کرنے والوں کے پاس سلطان کے اس جواب کا کوئی توڑ نہ تھا۔تب وہ دلیل کے میدان میں لاجواب ہو کر گھر کو لوٹے۔

سلطان کے جواب سے خوش ہو کر اس وقت کے معروف مسلمان لیڈر مولانا ظفر علی خان نے سلطان کے ان جرأت مندانہ اسلامی اقدامات کو اپنے اخبار ''زمیندار'' میں خراج تحسین پیش کیا اور اپنے اشعار میں اس امید کا اظہار کیا کہ باقی دنیا میں شرکیہ نجاستوں کی تطہیر ان شاء اللہ سلطان جیسے موحد کے ہاتھوں سے ہو گی۔

آخری لمحات میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت:

معزز قارئین کرام! اب آخر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دو پیارے فرمان سن لیجیے۔

پہلا فرمان ان لمحات میں ارشاد فرمایا گیا ہے جب انسان دنیا کی سرحد سے قدم اٹھائے ہوئے ہوتا ہے اور آخرت کی سرحد میں اپنا اٹھایا ہوا قدم رکھنے کو تیار ہوتا ہے۔

اس موقع پر جو بات بھی کہی جاتی ہے وہ وصیت کہلاتی ہے اور اب آپ جس وصیت سے

واقف ہونے والے ہیں، یہ تمام نبیوں کے آخر میں آنے والے، سب نبیوں کے امام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی وصیت ہے اور یہ اس رحمت للعلمین پیغمبر کی وصیت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ انتہائی شفیق اور مہربانی قرار دیا ہے۔

تو دیکھیے اور سنیے اپنے پیارے نبی ﷺ کی وصیت جس میں ہم سب کی بھلائی کی خاطر ایک بہت بڑے خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے پیشگی خبردار کر دیا گیا ہے حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

« لَمَّا نَزَلَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً لَهُ عَلَى وَجْهِهِ فَإِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ وَ هُوَ كَذٰلِكَ »

''رسول اللہ ﷺ پر موت کی کیفیات طاری ہوئی تو آپ ﷺ اپنی چادر کو اپنے چہرے پر ڈالتے، پھر جب گھٹن محسوس کرتے تو چادر ہٹا دیتے۔''

اسی حالت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

« لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدَ »

(صحيح بخارى، كتاب احاديث الانبياء باب ماذكر عن بنى اسرائيل :٣٤٥٣، ٣٤٥٤ صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهى عن بناء المسجد من القبور: ٥٣١)

''اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت کرے کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔''

''قیامت'' قبر پرستوں پر قائم ہوگی:

جہاں تک مومنوں کا تعلق ہے تو قیامت قائم ہونے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک انتہائی خوشگوار ہوا بھیجے گا، وہ ہر اس شخص کے

فوت ہونے کا سبب بن جائے گی کہ جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا۔''

(صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراطه الساعة، باب فی خروج الدجال و مکثه فی الارض...... الخ : ۲۹۴۰)

یعنی اللہ تعالیٰ اتنے مہربان ہوں گے کہ ان کے ہاں معمولی سا ایمان بھی معتبر ہوگا۔مگر قبر پرستوں کے بارے بھی دیکھیے کہ قبر پرستی کے عقیدے کے ساتھ ان کے ایمان کو ایمان تسلیم ہی نہیں کیا جا رہا اور چونکہ شرک کی موجودگی میں ایمان برباد ہو جاتا ہے اور رائی کے دانے جتنا بھی باقی نہیں بچتا، تبھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر ہی نہیں کیا اور حقیقت تو یہی ہے کہ جب کوئی شے موجود ہی نہیں اور اگر موجود تھی تو برباد ہوچکی، لہٰذا اب ذکر کس کا ہو؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو قبر پرستی کے اس مذموم جہنمی فعل سے بچائے کیونکہ بڑے بدقسمت ہیں یہ لوگ کہ قیامت بھی انہی پر قائم ہوگی۔تو اب سنیے اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُ السَّاعَةُ وَ هُمْ أَحْيَاءٌ وَ مَنْ يَّتَّخِذُ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ))

(مسند احمد : ۱/۴۰۵، ۴۳۵)

''بے شک لوگوں میں سے بدترین لوگ وہ ہوں گے جنہیں قیامت آلے گی اور وہ زندہ ہوں گے اور وہ لوگ جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں۔''

باب نمبر۲

ہجویری مزار سے الٰہی دربار تک

ایک ایسے کردار کی سچی داستان جو ابھی حیات ہے

میں نے میٹرک اپنے گاؤں کے سینی بار ہائی سکول سے سائنس کے ساتھ فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ تصوف کے رنگ میں تو بچپن ہی سے رنگا ہوا تھا کیونکہ ہمارا گھرانہ بہت زیادہ پیر پرست ہے۔ چنانچہ دیدار الٰہی کے لیے اور صاحب ڈیوٹی (ولی) بننے کے اشتیاق میں اکثر کوشاں رہتا۔ یہاں تک کہ ساری ساری رات مسجد میں گزارتا، یا پھر تنہائی میں ایک ٹانگ پر کھڑا ہوکر بگلے کی طرح بھگتی کرتا۔ کبھی الٹا لٹک کر اپنی گمنام منزل کے حصول کی سعی لا حاصل کرتا۔ مگر فاصلہ تھا کہ بڑھتا ہی چلا جارہا تھا۔ شوق وصال میں کبھی کسی درگاہ اور کبھی کسی دربار پر حاضری دیتا، اپنے حلقہ یاراں کی طرح جب عشق کا مروڑ پیٹ میں زیادہ اٹھتا تو کبھی وجد آجاتا، کبھی حال چھڑ جاتا اور کبھی خالی دھمال پر ہی گزارہ کرنا پڑتا۔

اسی طرح ماہ وسال گزرتے رہے اور درویشی کی گرہ دل میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ کبھی کبھی مترجم قرآن مجید پڑھتا تو ذہن کسی اور ہی حقیقت کی طرف چلا جاتا۔ کیونکہ وہاں ہمارے جیسی دھینگا مشتی کا تصور تک نہ تھا۔ جب میں اپنے والد صاحب سے دریافت کرتا تو وہ کہتے: ''بیٹا! قرآن ہماری سمجھ میں آنے والی چیز نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہی سمجھ سکتے ہیں، یہ ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔'' میں بھی ذہن کو ادھر ادھر گھما کے دل کو تسلی

دیتا کہ بزرگ ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا اور دیکھتا تھا کہ والد صاحب اہلِ معرفت کے حلقے میں منجھے ہوئے تھے اور اپنا ایک الگ مقام رکھتے تھے (اور رکھتے ہیں) گیارہویں شریف کا ختم بڑی پابندی اور بڑے اہتمام سے دلوایا جاتا تھا (اور دلوایا جاتا ہے) جس میں، میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا تھا۔ یہ تو خیر سن ہی رکھا تھا کہ عشق اور معرفت کی دنیا میں بڑی کٹھنائیاں ہیں اور اس راستے میں اترنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ بہر حال میں نے اس ''پرخار اور پرخوار'' راستے پر چلنے کا چیلنج قبول کر لیا۔ اس وادی مغضوب کی طرف چلنے سے پہلے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دینا تو لازمی شرط ہے، اس لیے جہاں بڑوں نے ہاتھ دیے، وہاں ہم نے سر دینا بھی قبول کیا ہوا تھا۔

ہاتھوں میں ہاتھ دینے والے یہ خوب جانتے ہیں کہ ہاتھ جس کے ہاتھوں میں دے دیا جائے پھر وہی اول و آخر، ظاہر و باطن، حاضر و ناظر، جہاں دو ہوں وہاں تیسرا وہ ہوتا ہے اور جہاں چار ہوں وہاں پانچواں اسے سمجھا جاتا ہے۔

میں بھی اسی تصور کے لبادے میں لپٹا ہوا تھا۔ اس لیے عقیدت کے جوش میں کبھی کبھی اپنے مرشد پاک کی تصویر کو سامنے رکھ کر نماز پڑھتا (جو گھر میں ہمہ وقت موجود ہوتی تھی) اور اپنی آبدیدہ آنکھوں کو اپنے پیر و مرشد، آقا و مولاؑ حاجت روا، مشکل کشا کے سامنے سجدہ ریز ہو کر ٹھنڈک پہنچاتا تھا۔ یہی سبق سکھایا جاتا تھا کہ سیاہ و سفید کے مالک بھی وہی، بارش برسانے والے بھی وہی، رازق بھی وہی، مالک کل بھی وہی۔ (یاد رہے آج کل ان کی ایک ٹانگ ٹوٹ چکی ہے اور وہ لنگڑا کر چلتے ہیں اور اس بزرگ کو بعد میں کسی وجہ سے چھوڑ دیا گیا) اور یہی سبق ہم نے از بر کر رکھا تھا۔ ہاں تو بات ذرا دوسری طرف نکل گئی، میں کہہ رہا تھا کہ میں نے یہ چیلنج قبول کر لیا۔ راتوں کو جاگنا میرا معمول بن گیا تھا۔ ایک تڑپ تھی، ایک جذبہ تھا اور اس جذبے سے سرشار میں چھوٹی بڑی درگاہوں پر ٹکریں مارتا رہتا تھا مگر اپنے اللہ سے تعلق استوار نہ ہو سکا۔ دن گزرتے گئے۔ اس وقت مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا رہتا ہے اور یہ کہ ع

کہتے ہیں جس کو عشق، خلل ہے دماغ کا

آخر ایک دن میں نے اس فانی دنیا کی جھوٹی لذت اور عیش وعشرت کی زندگی کو خیر باد کہہ دیا اور حضرت داتا گنج بخش صاحب کے دربار پر جانے کا پروگرام بنایا۔ دل میں یہ فیصلہ کیا کہ جب تک داتا صاحب ولایت کی ذمہ داری نہیں لگا دیتے، واپس نہیں آؤں گا۔

داتا دربار کی طرف روانگی کیسے ہوئی ؟:

قرآن نے جسے کھلا دشمن کہا ہے میں اس کے پنجوں میں اچھی طرح جکڑ گیا تھا اور سچی بات ہے کہ اندر ہی اندر مجھے بشارتیں بھی ملنے لگی تھیں، جو دراصل شیطان کے وسوسے تھے کہ جلدی جاؤ تمھارا فیض وہیں کھلے گا وغیرہ وغیرہ۔ لوگوں کے دل میں بھی میری عزت تھی۔ شب بیداری کے سبب لوگ مجھے کچھ کچھ ولایت کے عہدے پر فائز سمجھنے لگے۔ شاہ کوٹ (فیصل آباد، پنجاب) میں ہماری آڑھت کی دکان تھی۔ والد صاحب دکان پر تھے، میں نے والدہ سے اجازت لی۔ سناروں کے گھر میں ناز و نعم سے پلنے والے نے جب شاہانہ لباس اتار پھینکا اور فقیروں والا پھٹا پرانا لباس پہنا تو لوگ حیران رہ گئے (لباس و خوراک کی نفاست پسندی کی وجہ سے والد صاحب کے دوست مجھے ''شہزادہ'' کہہ کر پکارتے تھے) میں سیدھا شاہ کوٹ والد صاحب کے پاس پہنچا اور اجازت مانگی۔ والد صاحب مجھے اس حالت میں دیکھ کر ششدر رہ گے اور رو کر کہنے لگے: ''بیٹا! اس طرح جارہے ہو۔'' میں نے کہا: ''ہاں! فقیر بادشاہوں کے ہاں اسی طرح ہی جایا کرتے ہیں''۔ والد صاحب نے اونچی اونچی رونا شروع کر دیا۔ مجھ سے بھی نہ رہا گیا، پاس بیٹھے لوگ بھی زار و قطار رونے لگے۔ بعض لوگ کہتے تھے:

''بھائی غلام محمد! تو خوش قسمت ہے کہ تجھے اللہ نے ایسا بیٹا عطا کیا ہے۔''

آخر رونے دھونے کے بعد والد صاحب نے کہا: ''بیٹا! ہم ولیوں کے ماننے والے ہیں اور تم داتا صاحب کے حکم پر جا رہے ہو، میں تمھیں اس نیک مقصد سے منع تو نہیں کرتا

(میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ بشارتیں ملنا شروع ہوگئی تھیں، جو میں اپنے بزرگوں کو بتا چکا تھا) ویسے تم جانتے ہو کہ میں تمھارے بغیر ایک دن بھی نہیں گزار سکتا۔ میں نے کہا: ''ٹھیک ہے لیکن یہ فقیر تو اب جا ہی رہا ہے۔'' شاہ کوٹ میں نولکھ ہزاری کا مشہور دربار ہے' میں سیدھا دربار پر گیا' وہاں حاضری وغیرہ دی اور اپنی منزل کی جانب یعنی داتا دربار کی طرف چل دیا۔ اپنے ہوش میں لاہور کی طرف میرا یہ پہلا سفر تھا۔

یہ بات مشہور ہے کہ جب تک پیر مکی صاحب کے دربار پر حاضری نہ دی جائے داتا صاحب اپنے ہاں کسی قسم کی حاضری قبول نہیں کرتے۔

دربار پر حاضری:

حسب رسم میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر میں داتا دربار پہنچا اور جاتے ہی قبر مبارک پر سجدہ ریز ہو گیا۔ میں اونچی اونچی آواز میں رو رہا تھا، اتنے میں ایک باوا صاحب آئے' مجھے پکڑا اور تسلی دینے لگے، میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ بس پھر کیا تھا!!

ٹک ٹک دیدم............لب نہ کشیدم

قبر مقدس کو دیکھتا رہتا اور چپ رہتا۔ کچھ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ کا مقرب بننے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں!! نفس سے زبردست ''جہاد'' کرنا پڑتا ہے' سو میں نے بھی ریہرسل شروع کر دی، اس جہاد کی ....جون جولائی کی کڑکتی دھوپ میں ایسا جہاد کرنے والے ہی اس حقیقت کو جان سکتے ہیں، دوسروں کو کیا معلوم کہ ع

جس تن لاگے سو وہی تن جانے

صوفیائے کرام فرماتے ہیں: ''شیرنی کا دودھ خالص سونے کے برتن کے علاوہ اور کسی برتن میں نہیں ٹھہرتا' برتن ٹوٹ جاتا ہے۔'' اس لیے جس سینے میں معرفت کا علم داخل کرنا ہو پہلے اسے صاف اور سونے کی طرح خالص کرنا پڑتا ہے۔ اس ہڈیوں کے ڈھانچے کو پہلے گندگی سے پاک صاف کرنا ضروری ہے، جس کے لیے کھانے پینے سے پرہیز کرنا لازمی شرط ہے۔

یہاں معرفت الٰہی کو شیرنی کے دودھ سے تشبیہ دی گئی ہے' تو میرے سامنے بھی میرے ہی گاؤں کی ایک زندہ مثال تھی۔ ہمارے گاؤں کے ایک بزرگ ہیں، انھوں نے بارہ سال تک روٹی نہیں کھائی اور سوکھ کر کانٹا بنے ہوئے تھے اور دور حاضر کے اولیاء وصوفیاء کے نزدیک مقام خداوندی تک پہنچ چکے تھے۔ مشہور ہے'' رانجھا رانجھا کر دی میں آپے رانجھا ہوئی''، یعنی جو بندے اس قدر زیادہ اللہ اللہ کرتے ہیں، ایک وقت آتا ہے کہ وہ خود اللہ کا روپ ہوجاتے ہیں۔

حضرت کے ذکر کی تپش:

اسرار الٰہی سے واقف حضرات اس بات کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ علی احمد صابر کلیر شریف والے مقام الٰہی پر فائز تھے۔ مشہور ومعروف واقعہ جو ان سے منسوب ہے، وہ مختصراً کچھ یوں ہے کہ:

انھوں نے چھتیس برس ایک جنگل میں بغیر کھائے پیے گزار دیے۔ وہ اس قدر یاد الٰہی میں مشغول رہے کہ کھانے پینے کا ہوش نہ رہا۔ بارہ بارہ میل تک چاروں طرف ان کے (ذکر الٰہی) کی تپش محسوس کی جاتی تھی اور اگر کوئی پرندہ ان کے سر کے اوپر سے بھی گزر جاتا تو جل کر راکھ ہوجاتا۔ آپ ایک گلر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر وظیفہ کیا کرتے تھے۔ چھتیس برس وہاں رہے۔ اس درخت کی ٹہنیاں اور جڑیں وغیرہ آپ کے جسم کے گرد لپٹ چکی تھیں۔ پھر آپ کو واپس لانے کا قصہ بڑا طویل ہے۔ بہرحال جب واپس آئے تو ان کی شادی کر دی گئی۔ آپ کی بیوی جب آپ کے پاس آئی اور کہا: ''میں آپ کی بیوی ہوں'' تو حضرت فرمانے لگے: '' اللہ میاں کی بھی کوئی بیوی ہوتی ہے!!'' وہ کہنے لگی: ''جی! آپ اس طرح تو مذاق نہ کریں، میں واقعی آپ کی بیوی ہوں۔'' حضرت صاحب نے جلال میں آ کر ان کی طرف دیکھا تو وہ جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئی۔ (یہ ہے مقام خداوندی، سمجھ دار عورتیں شادی سے پہلے خوب جان لیا کریں کہ موصوف کہیں اس مقام پر تو فائز نہیں ہے...... بصورت

دیگر......)

رہبانیت کی انتہا:

ہاں تو میں بھی اس جہد مسلسل میں لگا رہا۔ اب خوراک کا یہ عالم تھا کہ دن میں کبھی کبھار چند ایک چنے کے دانے کھاتا اور دو گھونٹ پانی پی لیتا۔ یوں تو وہاں کھانے پینے کی چیزوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ لوگ میرے قریب انواع و اقسام کی مٹھائیاں اور کھانے لاکر رکھ دیتے لیکن میں آنکھ اٹھا کر بھی ان کی طرف نہیں دیکھتا تھا، کیونکہ میری دنیا ہی کچھ اور تھی۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے، سترہ یا اٹھارہ دن بعد مجھے رفع حاجت ہوتی تھی۔ اب رونا دھونا اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ میری آنکھوں کا پانی تک خشک ہو گیا' مگر میں پھر بھی شکست ماننے والا نہ تھا۔ گرمی اور خشکی کے سبب نیند بالکل ختم ہو چکی تھی۔ میرے علاوہ قبر مبارک کے قرب و جوار میں اور لوگ بھی چلہ کشی میں مصروف رہتے تھے۔ مگر میرا مسئلہ ان سب پر فوقیت لے گیا تھا۔ اب وہ سارے لوگ بھی مجھے ایک پہنچا ہوا بزرگ خیال کرنے لگے۔ چھوٹی عمر میں کوئی بڑی بات ہو جائے تو حیرت تو ہوتی ہی ہے۔ میری عمر بھی کچھ زیادہ تو نہ تھی، ابھی داڑھی بھی ٹھیک سے نہ اتری تھی کہ میں معرفت کی بلندیوں کو چھونے لگا تھا۔ لوگ مزار پر حاضری دینے تو آتے ہی تھے، کوئی کچھ مراد لے کر آتا اور کوئی کچھ کیونکہ اکثر لوگوں کی مرادیں تقریباً ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں اور وہ پوری بھی وہاں ہی ہوتی تھیں۔

حضرت معین الدین چشتی اور ایک فاحشہ عورت:

(سینہ بسینہ علم سے) ایسا ہی ایک واقعہ مشہور ہے کہ جب خواجہ معین الدین چشتی داتا صاحب کے دربار پر حاضری دینے کے لیے آئے تو میری طرح وہ بھی دیدار چاہتے تھے، جو مشکل دکھائی دیتا تھا۔ کافی دن گزر گئے مگر کوئی بات نہ بنی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بدکار عورت آئی اور سلام کی رسم سے فارغ ہو کر کہنے لگی: ''داتا! میرا یار ملا دے۔ اگر میرا یار نہ ملا تو داتا

تیری قسم! میں یہاں سے کبھی نہیں جاؤں گی۔'' اب کیا دیکھتے ہیں کہ اس کا آشنا وہاں آجاتا ہے اور اس کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر اسے لے جاتا ہے۔ خواجہ معین الدین یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے!! نمناک آنکھوں سے مزار اقدس کی طرف منہ کر کے کہتے ہیں: ''ایک عورت ابھی آئی اور اپنا مقصد پا کر چلتی بنی، میں کئی دنوں سے یہاں دیدار کو ترس گیا ہوں، نہ جانے مجھ سے کون سی غلطی ہوئی ہے۔'' تو قبر مبارک سے آواز آئی: ''معین الدین! اس عورت کا یقین بہت پختہ تھا، اس لیے میں نے اس کو جلدی فارغ کر دیا۔ تو تو ہمیں بہت اچھا لگتا ہے، اس لیے یہاں کچھ دن اور رک جاؤ۔'' تو انھوں نے یہ شعر کہا ۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

لوگ میرے پاس آ کر پوچھتے تھے: ''بھائی! کیا معاملہ ہے؟ کوئی لڑکی وغیرہ کا چکر تو نہیں ہے، کہیں شادی کروانے کو جی چاہتا ہے یا عشق و محبت کا کوئی مسئلہ ہے......؟ ویسے کوئی فکر نہ کرو داتا سب کی سنتا ہے۔'' میں کہتا: ''بھائی! نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر اس طرح کا کوئی چکر ہوتا تو حل ہو گیا ہوتا، میری دنیا کوئی اور ہے'' تو وہ ہنس کر چل دیتے۔ اب رفتہ رفتہ میں وہاں کے لوگوں میں کافی مشہور ہو گیا۔ بڑے بڑے بزرگ اور عمر رسیدہ حضرات میرے پاس آکر رو پڑتے کہ جناب ہمارے لیے بھی کوئی دعا کرو۔ میں کہتا: ''یارو! اگر میری دعا میں کوئی اثر ہوتا تو میں اپنے لیے نہ کر لیتا۔'' مگر وہ کہاں سنتے تھے۔ کہتے تھے: ''تم تو خاصان خاص میں سے ہو، بس ہمارے لیے دعا کر دو۔'' میں تنگ آ کر کہتا: ''مجھے تو خود کسی کی بددعا لگی ہوئی ہے، میں تمھارے لیے دعا کیا کروں۔'' تو وہ میری اس بات کو بھی شان بے نیازی سمجھ کر مسکرا دیتے (کسی نے یونہی تو نہیں کہا کہ مشرک دی مت مری ہندی اے)۔

جب تک داتا قبر سے نکل کر بغل گیر نہ ہوگا......:

وہاں ایک بڑے میاں سے علیک سلیک ہوگئی، باتوں باتوں میں انھوں نے بتایا: ''میں کئی سالوں سے یہاں رہ رہا ہوں (مجھے بھی امر ہوا تھا) میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک داتا صاحب قبر سے نکل کر مجھ سے بغل گیر نہیں ہو جاتے۔'' بے ساختہ میری زبان سے نکل جاتا: ''واہ! سبحان اللہ! داتا، داتا ہی ہے'' اور پھر فرط جذبات سے میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے۔ ایک دن وہ سو رہے تھے کہ کسی نے ان کی طلائی گھڑی چرا لی۔ جب وہ بیدار ہوئے تو کہنے لگے: ''میری گھڑی کسی نے چرا لی ہے۔'' میں نے کہا: ''آپ کو پتا نہیں چلا؟'' کہنے لگے: ''نہیں! بس سوتے ہوئے کام ہو گیا۔'' (وہ بھی پہنچے ہوئے ولیوں میں سے تھے) میں نے کہا: ''کوئی بات نہیں داتا اور دے دے گا۔'' یہ کہہ کر میں پھر یار کے نام کی مالا جپنے لگا۔ گاؤں کے اکثر لوگ میرے پاس آتے اور مجھے دیکھتے ہی رونا شروع کر دیتے، کیونکہ میری حالت بھی قابل رحم ہوگئی تھی۔ میرے والد صاحب کچھ دنوں کے بعد آتے اور مجھے اچھے اچھے کپڑے اور روپے پیسے دے کر چلے جاتے۔ جب وہ چلے جاتے تو میں وہ کپڑے اور روپے غریبوں کو دے دیتا، یا پھر وہاں رکھے ہوئے گلے میں ڈال دیتا اور خود وہاں بیٹھا روتا رہتا۔ جب والد صاحب دوبارہ آتے تو میں انھیں پہلے سے زیادہ کمزور دکھائی دیتا۔ وہ کہتے: ''بیٹا! کچھ کھایا پیا کرو۔'' لیکن مجھے کھانے پینے کا ہوش کہاں تھا۔

ایک دن میرا بڑا بھائی میرے پاس آیا اور مجھے دیکھ کر اس قدر رویا کہ ہچکی بندھ گئی۔ کہنے لگا: ''اب گھر چلو۔'' میں نے کہا: ''ابھی امر نہیں ہے، تم جاؤ۔'' اب تو میں اپنے بہن بھائیوں اور والدین سے بھی بے نیاز ہو گیا۔ ہمارے رشتہ دار آتے، جھک جھک کر سلام کرتے مگر مجھے کسی کا ہوش نہ تھا۔ بس ایک ہی لگن تھی کہ پیر کامل بن کر ہی جاؤں گا۔ کیونکہ پیر کامل اللہ کا روپ سمجھا جاتا ہے۔ ولیوں کی بڑی شان ہے اور ان کے ہاں ایک لمحہ گزارنا بھی سو سال کی عبادت سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے یہ شعر بہت مشہور ہے ؎

یک زمانہ صحبت باولیاء
بہتر از صد سالہ اطاعت بے ریاء

منزل کی قربت کا اشارہ ہوا مگر ابھی تو وہ بہت دور تھی:

میرا زیادہ تر وقت اولیاء کے سائے تلے ہی گزرتا تھا، اس سے بڑھ کر اور میرے لیے کیا خوش قسمتی ہوسکتی تھی۔ ایک دن ہلکی سی بشارت ہوئی کہ مکی شاہ صاحب کے دربار پر حاضری دو۔ دل میں سوچا کہ نمبر آنے والا ہے اور منزل قریب آ گئی ہے، جانے کے لیے اٹھا تو میری جوتی غائب تھی، میں اسی طرح پیدل ہی چل دیا، سورج نصف النہار پر اپنی پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا اور سڑکیں آگ اگل رہی تھیں۔ میں دنیا سے بے زار تپتی ہوئی ننگی سڑکوں پر ننگے پاؤں چل رہا تھا، پاؤں سلگ رہے تھے مگر انجام سے بے خبر چلتا رہا۔ پیر مکی صاحب کے دربار کے پچھلی جانب ایک چھوٹا سا قبرستان ہے، جب میں وہاں پہنچا تو قبرستان میں بیٹھے ہوئے ایک بہت موٹے تازے ملنگ نے اونچی آواز میں مجھے میرا نام لے کر پکارا۔ میں حیران تھا......! انھوں نے کہا: ''جلدی آ جا میں تیرا ہی انتظار کر رہا ہوں۔'' (بعد میں پتا چلا کہ ولایت کی دھاک بیٹھانے کے لیے ایسے کاموں کے لیے باقاعدہ خفیہ ایجنٹ رکھے ہوئے ہیں)۔

کانٹوں پہ چلتی ہوئی آئی تیرے گاؤں میں
دیکھ بلم تیری قسم چھالے پڑے پاؤں میں

میں نے دل میں کہا کہ بزرگ دلوں کا بھید جانتے ہیں۔ جب میں ان کے قریب گیا تو عرض کی: ''کیا حکم ہے بابا حضور! میرے لیے؟'' انھوں نے کہا: ''ابھی امر نہیں ہے۔ مکی صاحب نے حکم دیا ہے کہ اسے وہیں روک دو، یہ آگے نہ آئے۔'' میں بہت رویا، سوچا کہ ابھی منزل کچھ دور ہے۔ کیونکہ سنا ہے کہ جب عشق ہائی ڈگری پر پہنچا ہو تو معشوق قریب نہیں آنے دیتے، خواہ کتنے ہی دکھ اٹھائے ہوں۔ تو میں نے بھی یہی خیال کیا کہ اپنا عشق بھی اس وقت

سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا ہوا ہے اور مکی شاہ صاحب نے اسے بذریعہ بشارت اطلاع کر دی ہوگی۔

ابھی جھاڑو دینے اور حضرت کا تھوک کھانے کی منزلیں باقی تھیں:

اب میں نے عرض کی: ''حضرت صاحب! اب مجھے کیا کرنا ہوگا......؟'' انھوں نے کہا: ''جھاڑو پکڑو اور قبرستان کی صفائی شروع کرو۔'' میں نے دو تین گھنٹے خوب کام کیا اور قبروں کی صفائی وغیرہ کردی، پھر ہاتھ باندھ کر حاضر ہوا: ''آقا! اب کیا حکم ہے؟ انھوں نے ایک پیالی میں تھوکنا شروع کر دیا' جب پیالی آدھی ہوگئی تو فرمانے لگے: ''لو! اسے پی جاؤ......'' اب میں جانتا تھا یا میرا اللہ کہ میری کیا حالت ہوئی مگر معرفت میرے جسم میں رچی بسی تھی۔ سوچا کہ یہ میرا امتحان ہے۔ یہ بھی سن رکھا تھا کہ بزرگ چاہیں تو چاولوں کو کیڑے اور گندگی کو مٹھائی میں تبدیل کر سکتے ہیں، شاید یہ بھی اسی طرح ہی کا کوئی معاملہ ہو۔لیکن ایسا نہیں ہوا' مجھے اسی پر گزارہ کرنا پڑا، جیسے تیسے کر کے نگل گیا (یا اللہ! جہنم کی خوراک دنیا میں کھالی' آگے معاف کر دینا)۔ زیادہ کام کی وجہ سے میں کچھ تھکاوٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ چاہتا تھا کہ تھوڑا سا آرام کر لوں لیکن بابا حضور نے ایک اور ڈیوٹی میرے ذمہ لگائی، فرمانے لگے: ''یہ گھڑا پکڑو اور درختوں کو پانی دو۔'' دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ طارق میاں! کہاں پھنس گئے ہو!! لیکن دوسرے ہی لمحے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا اور لاحول پڑھا اور نئے جذبے سے گھڑا پکڑا اور پانی بھرنا شروع کر دیا اور یہ بات تو مجھے معلوم ہی تھی کہ ؎

نماز شرع میں اٹھنا بیٹھنا تو ہے لازم
نماز عشق میں دم بھر کہیں قیام نہیں

میرے سر پر پانی کا گھڑا، پاؤں ننگے اور جلتی سڑکیں تھیں، جس کی وجہ سے میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔مگر ''نگاہ عشق و مستی'' میں ان باتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ میں گھڑا ہاتھ میں پکڑ کر چل رہا تھا اور اپنے آپ سے باتیں کرتا جا رہا تھا کہ طارق! یہ بھی تیری

خوش قسمتی ہے کہ تجھے کسی شاہ صاحب کا ماشکی بننے کی سعادت نصیب ہوئی ہے!! اب میں تھا...... یا ...... پانی والا گھڑا تھا۔ (یہ گھڑا سوہنی کے گھڑے کی طرح کچا نہیں تھا جو ٹوٹ جاتا' بڑا مضبوط تھا) میں نے دو تین گھڑے ایک درخت کے گرد بنے ہوئے دائرے میں ڈال دیئے مگر وہ چھوٹا سا دائرہ بھرنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔

میں نے آٹھ دس گھڑے اور ڈال دیے، یہ چھوٹا سا درخت وہ بھی پی گیا۔ میں بہت حیران ہوا کیونکہ میں اسے بھی ایک بہت بڑی کرامت سمجھ رہا تھا۔ ویسے میرا جسم میرا ساتھ چھوڑ گیا اور میری ٹانگیں بھی لڑکھڑانے لگیں۔ میری یہ حالت دیکھ کر بابا حضور نے ایک زوردار قہقہہ لگایا، پھر فرمانے لگے: ''اب بس کرو۔'' میں نے گھڑا رکھ دیا اور عرض کی: ''یا حضرت! اب میرے لیے کیا حکم ہے؟'' کہنے لگے: ''اب تم ذرا آرام کرلو......۔'' شام ہونے کو تھی، جوں جوں اندھیرا بڑھتا جاتا مجھے کچھ خوف سا محسوس ہونے لگا۔ مگر پھر میں نے دل کو تسلی دی کہ تیرا تو بال بھی بیکا نہیں ہوسکتا۔ جانتا نہیں تو داتا صاحب کا بندہ ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ قبرستان کے گرد چار دیواری ہے، جس کے ساتھ گندے پانی کا نالہ گزرتا ہے اور وہ سارا پانی جو میں درختوں کو ڈالتا تھا اس نالے میں گرتا جاتا تھا۔ یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی تھی۔ آخر رات گہری ہوتی گئی' میں بابا حضور سے پوچھتا: ''اب اجازت ہوئی ہے یا نہیں؟'' کیونکہ میں دربار پر سلام کرنا چاہتا تھا' تو وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو جاتے اور جس طرح ٹیلیفون کرتے وقت ہیلو ہیلو کرتے ہیں' اسی طرح وہ ہیلو ہیلو کرتے اور مجھے یوں معلوم ہوتا جیسے وہ کسی صاحب سے کال ملا رہے ہوں۔ میں کھڑا انتظار کرتا اور انتظار تو آپ جانتے ہی ہیں کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ بہر حال وہ مجھے کہتے: ''ابھی امر نہیں ہوا۔'' میں تھوڑی دیر بعد پھر سوال کرتا، وہ پھر اسی طرح ٹیلی فون کرتے اور میں شدت کے ساتھ اپنی باری کا انتظار کرنے لگتا مگر ؎

پھر میری آس بندھا کر مجھے مایوس نہ کر

عشق کو عشق سمجھ مشغلہ دل نہ بنا

والی بات ہوجاتی اور وہ کہتے: ''ابھی امر نہیں ہوا۔'' میں اندر ہی اندر تلملا کر رہ جاتا اور اپنے آپ کو کوسنے لگتا اور کہتا کہ طارق! تیرے ہی عشق یا عقیدت میں کوئی کمی رہ گئی ہے جو حاضری قبول نہیں ہو رہی۔ ہجر کا درد اور وصال کا شوق مجھے کسی کروٹ چین نہ لینے دیتا۔ میں تنگ آ کر پھر سوال داغ دیتا اور کہتا: ''قبلہ! ذرا ٹیلیفون کر کے پتا کرنا اور مکی شاہ صاحب سے عرض کرنا کہ مجھے آگے آنے کی اجازت دی جائے۔'' اس پر وہ حضرت مجھے بری طرح ڈانٹ پلاتے اور غصے سے لال پیلے ہو کر کہتے: ''وہاں تو چڑی بھی نہیں پھٹکتی، وہاں تو کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں، کہیں تم ولایت سے میرا پتا بھی نہ کٹوا دینا، خاموش رہو......۔'' میں مارے ڈر کے سہم جاتا۔ داتا صاحب کے دربار پر تو میں اپنے آپ کو جبراً جاگنے پر مجبور کرتا تھا' مگر یہاں تو نیند بالکل ہی اچاٹ ہوگئی تھی۔ اب باباحضور نے مجھے حکم دیا: ''سو جاؤ۔'' نہ کوئی چارپائی اور نہ کوئی بستر دیا۔ فرمانے لگے: ''قبر کے ساتھ ہی زمین پر لیٹ جاؤ۔'' ''حکم حاکم مرگ مفاجات'' میں لیٹ گیا۔ مرنے کے بعد پتا نہیں قبر نصیب ہوگی کہ نہیں زندگی میں ہی میں نے قبر کا نظارہ کر لیا۔ اب نیند مجھ سے کوسوں دور تھی۔ آنکھیں ٹیلیفون کے انتظار میں کھلی تھیں ؎

مرنے کے بعد بھی میری آنکھیں کھلی رہیں
عادت جو پڑگئی تھی تیرے انتظار کی

ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی' علی الصبح پیرومرشد نے پھر کھڑا کر لیا اور صفائی وغیرہ پر مامور کر دیا۔

باباجی کے احکامات

باباجی اپنے تخت پر بیٹھے بیٹھے مجھے مختلف قسم کے احکامات صادر کرتے تھے جن پر مجھے ہر حال میں عمل کرنا ہوتا تھا۔ بصورت دیگر مستقبل میں حاصل ہونے والی ولایت سے ہاتھ دھونا

پڑتے۔

پہلا حکم ...... مجھے غسل دو:

صفائی سے فارغ ہوا تو باباجی نے پانی لانے کو کہا۔ میں پانی لے آیا، انھوں نے حکم دیا کہ مجھے نہلاؤ۔ میں نے خوب اچھی طرح حضرت صاحب کو غسل دیا۔ سورج کی کرنیں اپنی تیز روشنی سے اجالا پھیلانے لگیں۔ کچھ دیر بعد وہاں لوگ آنا شروع ہوگئے، اپنی اپنی حاجات پیش کرتے اور من کی مرادیں پا کر واپس چلے جاتے' مگر اپنے من کی دنیا تو بدستور ویران تھی۔ کچھ دن اسی طرح گزر گئے، میں اسی طرح روتا دھوتا رہا مگر امر نہ ہوا۔ مگر پھر بھی میرے شوق وصال میں کوئی فرق نہ آیا۔ کچھ لوگ آکر مجھے کہتے: ''باباجی کی خدمت کرو، تر جاؤ گے، بہت کچھ ملے گا۔'' لوگ بھی کبھی باباحضور سے چھیڑ چھاڑ کرتے تو وہ بہت گندی گندی گالیاں دیتے اور گالیاں بھی ایسی دیتے کہ سننے والا انسان غیرت سے مر جائے۔ مگر وہاں بے غیرت ہو کر رہنا ہی باعث سعادت سمجھا جاتا ہے۔ کچھ اس قسم کی عنایات کی بارش عموماً مجھ پر بھی ہوتی رہی تھی۔ وہ جتنی گالیاں دیتے، لوگ سمجھتے کہ ان کا کام اتنا ہی پختہ اور جلدی ہو جائے گا۔ وہ لوگ کہتے تھے: ''باباحضور کی گالیاں تو جنت کا ٹکٹ ہوتی ہیں۔'' مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ لوگ در پردہ بابا سے ملے ہوئے تھے۔ ویسے ایک گھر وہاں ایسا تھا جو بابا کو بھی گالیاں دیتا تھا اور باباجی اس گھر کے افراد سے کچھ کنی کتراتے تھے۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ باباحضور کی برداشت ہے، ورنہ یہ انھیں ایک ہی نظر سے زندہ جلا سکتے ہیں۔ بہر حال میں بھی انھیں اولیاء کا گستاخ کہہ کر دل کو تسلی دیتا تھا۔ ایک دفعہ آدھی رات گزر چکی تھی کہ مجھے فرمانے لگے: ''پانی لا کر مجھے نہلاؤ۔'' میں نے انھیں نہلایا۔

دوسرا حکم ...... بلیوں کا بچہ بلیوں والی سرکار کے پاس چھوڑ کر آؤ:

نہلانے کے بعد ایک بلی کا بچہ میاؤں میاؤں کرتا آیا، مجھے حکم ملا: ''اسے پکڑو اور بھاٹی

دروازہ جا کر بلیوں والی سرکار کے ہاں چھوڑ آؤ۔'' میری جانے بلا کہ بھاٹی دروازہ کہاں ہے؟ میں نے عرض کی: ''سرکار! بھاٹی دروازہ کدھر ہے؟'' انھوں نے تھوڑی بہت نشان دہی کی۔ جب میں گلیوں سے ہوتا ہوا سڑک پر پہنچا تو اب سڑک عبور کرنا تھی۔ میں ٹریفک کی پروا کیے بغیر چلنے لگا تو ایک آدمی نے بازو سے پکڑ کر کہا: ''ارے خودکشی کا ارادہ ہے۔'' میں نے کہا: ''کیوں کیا بات ہے؟'' بہرحال اس نے مجھے سڑک پار کروائی۔ میں نے اس سے پوچھا: ''بھاٹی کدھر ہے؟ کہنے لگا: ''اتنے بڑے ہو گئے ہو ابھی تک بھاٹی کا بھی پتا نہیں چلا۔'' اسے کیا پتا تھا کہ گرمی اور خشکی سے اور اس جبر مسلسل کی وجہ سے میرا کیا حال ہے۔ بہرحال پوچھتا پوچھتا میں بلی کا بچہ چھوڑ کر واپس آ گیا۔ بابا جی کہنے لگے: ''کہاں مر گئے تھے اتنی دیر کیوں غیر حاضر رہے؟'' میں نے عرض کی: ''آقا! آپ نے ہی تو بھاٹی دروازہ میں بلیوں والی سرکار کے پاس بھیجا تھا۔'' کہنے لگے: ''اچھا ٹھیک ہے، اب تم راوی دریا پر جاؤ۔'' میں نے عرض کی: ''مرشد جی! راوی کدھر ہے؟'' مجھے واقعی کچھ پتا نہ تھا۔ کہنے لگے: ''اچھا اب قبر کے ساتھ جا کر لیٹ جاؤ۔'' میں لیٹ گیا، چھوٹے چھوٹے سانپ میرے اوپر نیچے دوڑنے لگے، میں مارے ڈر کے کانپ اٹھا، بابا حضور ہنسنے لگے پھر انھیں مخاطب کر کے کہتے: ''بھئی! اسے تنگ نہ کرو، یہ اپنا ہی آدمی ہے۔'' اور یوں وہ مجھ پر اپنی کرامت کا رعب ڈالتے۔ اس پر میرا ایمان بابا جی کے اوپر اور بھی پکا ہو گیا تھا۔ حالانکہ یہ سارا مداریوں والا کھیل تھا۔ ایک دن میں نے عرض کی: ''حضرت صاحب! اب میری منزل کتنی دور ہے؟'' فرمانے لگے: ''معاملہ مکی شاہ صاحب کے پاس ہے، آگے وہ جانیں اور ان کا کام، مجھے تو جو حکم ملا تھا تمھیں بتا دیا۔''

تیسرا حکم......میرا فضلہ اٹھاؤ:

''اچھا اب تم یہ گندگی اٹھاؤ اور باہر پھینک دو۔'' انھوں نے اپنے نیچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ بابا حضور اتنے موٹے ہو گئے تھے کہ ایک

قدم چلنے کے بھی قابل نہیں تھے اور جس لکڑی کے پھٹے پر جلوہ افروز تھے، اسے درمیان سے کاٹ کر سوراخ کیا ہوا تھا اور یہیں سے قضائے حاجت کرتے تھے۔ بسیار خور اور بلانوش ہونے کی وجہ سے اجابت بافراغت کرتے تھے، جس کی وجہ سے گندگی کا کافی بڑا ڈھیر ان کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ جس میں زہریلے کیڑے بچھو وغیرہ پرورش پا رہے تھے۔

تاجدار مدینہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ شیطان ہمیشہ ایسی جگہوں پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔

(ابوداؤد، کتاب الطهارة، باب ما یقول الرجل اذا دخل الخلاء)

مگر مجھے اس وقت معلوم نہ تھا۔ بہرحال میں نے حکم کی تعمیل کی۔ یہ بات تو خیر میں نے پہلے سے سن رکھی تھی کہ بزرگ آزمانے کے لیے گندی چیزیں کھانے کا بھی حکم دیتے ہیں۔ اگر کھا لی جائیں تو بیڑا پار، اگر نفرت کی جائے تو آدمی ولایت کی گاڑی سے رہ بھی جاتا ہے۔ یہ سنا بھی تھا اور اس سے پہلے کچھ عملی طور پر کیا بھی تھا۔ بہرحال میں وہ گندگی صاف کرنے لگا۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے وہ سارا گند صاف کیا اور اگر وہ حکم دیتے تو میں وہ گندگی کھانے سے بھی گریز نہ کرتا۔ جو حضرات اس شہر معرفت کی سیر کرنا چاہتے ہیں، یاد رکھیں کہ پہلے ان کا ایسے حالات سے گزرنا ناگزیر ہے، بصورت دیگر اولیائی کی گیڈر سنگھی ہاتھ نہیں لگے گی، جو حضرات ایسا کر سکتے ہیں وہ بخوشی اس میدان میں اتریں۔ وگرنہ ؎

جس کو ہو جان و دل عزیز
وہ اس کی گلی میں جائے کیوں

شاید بابا حضور بھی عفت و عصمت کی چادر اتار کر ہی اس منزل تک پہنچے ہوں گے اور جب پہنچ چکے تو دیکھو کس طرح اپنے تخت پر براجمان ہو کر لوگوں کی قسمت کے فیصلے کرتے ہیں۔

عجیب تبرک

یہاں ایک اور بات عرض کر دوں کہ بابا حضور کبھی سوائے قمیص کے اور کوئی کپڑا نہیں

پہنتے تھے اور جو بھی مرد و زن یہاں آتے وہ بھی کوئی شرم محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ وہ لوگ حضرت کے ننگے بدن سے چیزیں لگا کر کھاتے یا متبرک سمجھ کر گھروں میں لے جاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ بامراد واپس جا رہے ہیں۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کی اکثریت کو کہیں جاہل اور کہیں بے علم کہا ہے۔ اب بھی اکثریت کی حالت دیکھ کر رونا آتا ہے۔ بقول شاعر ؎

سوچتا ہوں روؤں دل کو کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

اے اللہ! تیرا شکر ہے، بے حد احسان ہے تیرا کہ تو نے مجھے توحید کی سمجھ عطا کردی ورنہ...... ع

نہ خوش ہے یہ جہاں مجھ سے، نہ خوش ہے وہ جہاں مجھ سے

والی بات ہوتی۔ دنیا اور آخرت میں ملعون ہو جاتا۔ (اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ ثُمَّ اسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ)

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ حضرت صاحب مجھے گندگی کھانے کا بھی حکم دیتے تو میں گریز نہ کرتا کیونکہ میں تو ہر قیمت پر وہ مقام حاصل کرنا چاہتا تھا، جہاں ”قُمۡ بِاِذۡنِیۡ“ اور ”قُمۡ بِاِذۡنِ اللّٰہِ“ میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔

حصول ولایت کے لیے میں اپنے گوشت کا نذرانہ دینے کو بھی تیار بیٹھا تھا......مگر......؟

اہل معرفت وطریقت پر یہ خیال غالب ہے اور اس بات پر ان کا ایمان ہے کہ جو شخص اس ولایت کی اڑن طشتری پر بیٹھ جاتا ہے پھر تقدیر کا حکم اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے، وہ جو چاہے تقدیر لکھ دے اور جب چاہے اللہ تعالیٰ کے لکھے کو مٹا دے اور میں اس مقام کو حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کرنے کو تیار تھا۔ اسی خیال سے میں نے ایک دن ایک چھری پکڑی جو بابا مرشد کے پاس پڑی ہوئی تھی اور عرض کی: ”قبلہ! اگر حکم کریں تو میں اپنے جسم کا گوشت کاٹ کر پیش کروں اور اگر ارشاد کریں تو میں اپنی آنکھیں نکال کر حضور کو پیش کروں۔ آپ ایک بار کوئی قربانی مانگیں تو سہی......“ (کیونکہ میں جانتا تھا کہ وفا کی

دنیا میں اپنے آپ کو سچا عاشق یا مجنوں ثابت کرنے کے لیے ران کا گوشت تو دینا ہی پڑتا ہے، جس طرح لیلیٰ مجنوں کا قصہ مشہور ہے) تو اس پر میرے قبلہ مسکرانے لگے اور فرمایا: ''تو نے منزل پالی، تو نے منزل پالی۔'' میں بہت خوش تھا، پھر میں نے عرض کی: ''بابا جی! اب ٹیلیفون کر کے پتا کریں اور عرض کریں کہ کیا میں اب آ سکتا ہوں؟'' تو وہ فرمانے لگے: ''وہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں مگر ابھی اجازت نہیں ہوئی۔''

چوتھا حکم...... بھکاری بن کر بھیک مانگو:

اس طرح کئی دن گزر گئے۔ ایک دن کہنے لگے: ''اوئے! ادھر آ، میں دوڑ کر گیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا' تو حکم ہوا کہ یہ پیالہ لو اور لوگوں سے بھیک مانگنے کے لیے جاؤ!!! پہلے تو خوف سے صرف ٹانگیں ہی کانپ جایا کرتی تھیں......اب سارا جسم تھر تھر کانپنے لگا......آنکھیں بے نور سی ہونے لگیں۔ اس سے پہلے جتنی صعوبتیں میں نے برداشت کی تھیں، یہ بات میرے لیے ان سب سے زیادہ تکلیف دہ تھی......آج میں نے رونے کی انتہا کر دی۔ میں نے کہا: ''بابا جی! اتنا تو ذلیل نہ کرو، مجھے زمین میں گاڑ کر کتوں سے نچوا دو......مگر......مگر مانگنے کے لیے نہ بھیجو۔'' میں بابا جی کے پاؤں پڑا...... ہاتھ جوڑ جوڑ کر منتیں کیں ......مگر وہ نہ مانے، کہنے لگے: ''اوپر سے یہی حکم ہوا ہے، یہ آخری سیڑھی ہے، دیکھ لو۔'' میں نے ذلت کی اس کڑوی گولی کو امرت جان کر قبول کر لیا اور ولایت کے آخری سفر کی طرف چل دیا۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنا کاسہ بھیک کے لیے لوگوں کے سامنے پھیلایا...... بھکاریوں کی طرح پھرتا رہا...... مانگنا تو آتا نہیں تھا......بس رو رو کر ہلکان ہوتا رہا......آج میں کھل کر رویا تھا......آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے......آج آنسو آنکھوں کا حلقہ توڑ کر ساون بھادوں کی طرح برس رہے تھے...... یہی آنسو آج بارگاہ ایزدی سے کچھ پانے والے تھے...... میں نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا: ''اللہ کریم! تو جانتا ہے کہ میری نیت کیسی ہے، تو مجھے اپنے بندوں میں شامل کر لے، جو صحیح راستہ ہے وہ عطا فرما دے۔'' شاید

یہی دعا میرے مولا نے سن لی۔ اس ذلت آمیز سفر سے واپس لوٹا تو بھیک مانگ کر جو کچھ جمع ہوا تھا، لا کر بابا حضور کو پیش کر دیا اور عرض کی: ''اے حضور! اب کیا حکم؟'' اس نے پھر گالیاں دینا شروع کر دیں اور تحکمانہ لہجے میں کہنے لگے: ''جو ہم کہتے ہیں وہی کرو۔''

آخرکار مایوس کن جگہ سے مایوس ہی لوٹنا پڑا:

میں نے عرض کی: ''بابا جی! ابھی میری منزل کتنی دور ہے؟'' کہنے لگے: ''اوپر سے ابھی کوئی امر نہیں آیا۔'' تو میں سٹپٹا کر رہ گیا۔ میں نے کہا: ''حضرت صاحب! وہ کون سی خدمت ہے جو میں بجا نہیں لایا، کون سی تکلیف ہے جو میں نے نہیں اٹھائی، وہ کون سا ظلم ہے جو میں نے اپنے اوپر روا نہیں رکھا، میں نے سنا ہے کہ رانجھے نے ہیر کو پانے کے لیے کانوں میں چھید کروائے تھے تو اسے ہیر مل گئی تھی، تم میرے کان کاٹ لو تو مجھے کوئی پروا نہیں مگر ساری عمر میں یہاں نہیں رہ سکتا، وہ کام بتائیں جو رہ گیا ہو، میں کرنے کو تیار ہوں، کوئی بڑی سے بڑی قربانی مانگو، پیچھے نہیں ہٹوں گا۔'' کہنے لگے: ''ابھی کوئی امر نہیں۔'' میں نے کہا: ''کب تک امر ہوگا؟'' کہنے لگے: ''چاہے ساری عمر لگ جائے۔'' مجھے یہ سن کر بہت تکلیف ہوئی، میں غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا: ''اوہ بابا! تیرا بیڑا غرق ہو جائے، تیرا ستیاناس ہو جائے، یہ کون سا طریقہ ہے کہ ساری عمر اسی دشت کی سیاحی میں گزار دی جائے، پھر وہ مجھے سمجھانے کے انداز میں کہنے لگا: ''بزرگوں کے در پر بیٹھے رہنا چاہیے کبھی تو پوچھیں گے ہی نا؟'' میں نے کہا: ''اگر اسی طرح بیٹھنا ہے تو پھر اپنے گھر نہیں بیٹھ سکتا' پھر تمھارے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے؟ گھر میں ہی بیٹھ کر اللہ کو پکاریں گے' وہ جب بھی سنے گا، ٹھیک ہے۔ نہ سنے گا تو نہ سہی اور یہ شارٹ کٹ تو اس لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ منزل پر جلدی پہنچا جائے۔ جب شارٹ کٹ کے باوجود بھی فاصلہ اتنا ہی رہنا ہے تو تم لوگ کس مرض کی دوا ہو؟ ......لا میری چادر...... ذلیل انسان!'' اس نے میری نئی چادر جو میرے کندھوں پر تھی' یہاں آتے ہی اتار لی تھی۔

میں نے اس پر اب خوب غصہ نکالا۔ پہلے تو بات بات پر یہ حضرت گالیاں دیا کرتا تھا لیکن اب کیا مجال تھی کہ جو آنکھ بھی اوپر اٹھائے...... خاموش! جیسے ماں مرگئی ہو۔ میں نے اپنی چادر چھینی (کیونکہ شرافت سے دینے پر تیار نہ تھا) اور کہا: ''لو میں مکی شاہ صاحب جا رہا ہوں......تم روک کر دکھانا...... بے غیرت انسان! تمھاری گندگی اٹھا اٹھا کر میرا دماغ خراب ہو گیا، جو ابھی تک ٹھیک سے کام بھی نہیں کرتا۔'' غرض میں اسی طرح بولتا ہوا مکی شاہ کے دربار پہنچا اور سلام وغیرہ کیا۔ روتا دھوتا رہا اور گلے شکوے کرنے شروع کر دیے۔ وہاں سے فارغ ہو کر سیدھا داتا صاحب کے دربار پر گیا اور جاتے ہی قبر سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میں ایسے تڑپ رہا تھا کہ جیسے بن پانی مچھلی تڑپتی ہے۔ میں داتا صاحب سے پوچھتا تھا اور کہتا تھا: ''یا داتا......! مجھے ایک بار اپنی زیارت کرا دو۔ اگر میں اس قابل نہیں تو کم از کم آواز دے کر یہی کہہ دو کہ ''طارق! تیری حاضری قبول کر لی گئی ہے۔'' سارے لوگ آپ سے ملاقات کر کے جاتے ہیں، آپ سے باتیں کرتے ہیں' آپ ان کو امر دیتے ہیں، مجھ سے کیوں نہیں بولتے؟'' کئی روز اسی رونے دھونے میں گزر گئے مگر جواب نہ ملا۔ اب میں بہت پریشان ہو گیا تھا۔ ایک دن تنگ آ کر میں نے کہا: ''داتا صاحب! میرے ساتھ کھری کھری بات کرو، صاف صاف کہہ دو کہ میں تجھے کچھ نہیں دوں گا۔ اگر سائل کو خیرات نہ دینی ہو تو کم از کم اسے اتنا تو کہہ دینا چاہیے کہ معاف کرو۔'' مگر ساری باتیں بے سود ثابت ہوئیں۔ میں نے بڑی منت سماجت کی اور عرض کی: ''یا داتا! کچھ تو دو، کچھ تو بولو؟'' مگر وہاں تھا ہی کیا جو ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے:

إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ

(فاطر: 14)

''(اے لوگو!) اگر تم جوان (قبر والوں) کو پکارتے ہو تو یہ تمھاری پکار کو نہیں سنتے اور (فرض کرو) اگر یہ سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے۔''

مگر میرا کیا واسطہ تھا قرآن سے جو مجھے اس بات کا پتا چلتا، واقعی میری التجا کسی نے نہ سنی

اور نہ جواب دیا۔ میں نے شکایت کے انداز سے کہا: ”داتا صاحب! ہر کام کے کچھ اصول ہوتے ہیں مگر یہاں تو بے اصولی کی حد ہوگئی ہے۔ بھلا گھر بلا کر کوئی کسی کو اس طرح ذلیل کرتا ہے؟ میں نے تمھارا کیا بگاڑا؟ جو مجھے اس طرح رسوا کیا اور ذلت کی کون سی گہرائی ہے جس میں میں نہیں اترا۔ داتا صاحب! آپ نے اور مکی شاہ صاحب دونوں نے مجھے کیا دیا ہے؟ کچھ تو جواب دو!!“ مگر وہ دونوں اللہ کے بندے اپنی قبروں میں سوئے ہوئے تھے، انھیں کیا پتا کیا خبر کہ باہر کون آتے ہیں اور کیا کیا فضول حرکات کرتے رہتے ہیں اور لوگ یہاں آکر کیا کیا گل کھلاتے ہیں؟ یہ تو قیامت کے دن ہی پتا چلے گا جب وہ خود کہیں گے۔”کیا ہم نے آپ لوگوں سے کہا تھا کہ فوت ہونے کے بعد ہمیں پکارا کرنا؟...... یا مدد مانگنا؟“ بہرحال میں بہت شرمندہ ہوکر اٹھا اور شکوے شکایات کرتا ہوا گھر واپس آ گیا۔

آہ! لوگ میری پستی کو ولایت کی معراج سمجھ بیٹھے:

دل سے شرک کا بھوت ابھی نکلا نہیں تھا، بھوکا پیاسا رہ رہ کر میرا رنگ زرد سا ہو گیا تھا۔ جب خون ہی نہ رہا تو رنگ تو زرد ہونا ہی تھا۔ اب لوگ مجھے دیکھ کر سبحان اللہ! سبحان اللہ! کہہ رہے تھے۔ کوئی میرے ہاتھ چوم رہا تھا، کوئی پاؤں پڑ رہا تھا اور کوئی کہہ رہا تھا: ”سبحان اللہ! چہرے پر نور برس رہا ہے۔“ مگر کون جانے اور کسے معلوم کہ یہ نور مجھے کن کن خرافات سے گزرنے کے بعد ملا تھا۔ وہ میری زرد رنگت کو چہرے کا نور سمجھ رہے تھے۔

اب یہاں صورت حال یہ تھی کہ کہیں لاؤڈ سپیکر پر میری ولایت کا اعلان ہو رہا ہے، کہیں میرے ولی بن جانے کی خوشی میں دیگیں چڑھائی جا رہی ہیں، کوئی حاجت روائی کے لیے پاؤں پڑ رہا ہے اور کوئی دعا کے لیے منتیں کر رہا تھا...... اب میں کھسیانی بلی کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ کیا کروں۔ کیونکہ مجھ میں ولی اللہ والی کوئی بات تو ہے نہیں...... اب ان لوگوں کو کیا کہوں۔ ایک آیا اور کہنے لگا: ”باباجی! مجھے ایک لڑکی سے محبت ہے...... دعا کریں یا کوئی تعویذ وغیرہ دے دیں......بس میرا کام بن جائے۔“ میں نے سوچا کہ نہ معلوم معرفت کی دنیا

میں شاید اسی قسم کا کورس کیا جاتا ہے کہ لوگ ہر جگہ اسی طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ تھا کہ اب تک میری نیت خالص رہی تھی، میں لالچی، دھوکے باز اور مکار نہیں تھا، لوگ جس طرح مجھے ولی مان رہے تھے اور پوجا پاٹ تک تلے ہوئے تھے، میں تھوڑا سا ڈرامہ رچا لیتا تو آج دولت کی ریل پیل ہوتی۔ لوگوں کا تو یہ حال تھا کہ ایک اچھا خاصا پڑھا لکھا سمجھ دار آدمی قرآن اٹھا کر کہنے لگا: ''میں تو آپ کو ولی کامل مانتا ہوں۔'' میں نے اسے کہا: ''نہیں بھائی ایسی کوئی بات مجھ میں نہیں ہے۔'' مگر ان باتوں سے میں ان کے یقین کو نہ بدل سکا' وہ اسے میری کسر نفسی سمجھتے رہے۔

مایوسی کے بعد امید کی کرن......:

جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا، لوگ مجھے بہت کچھ سمجھ رہے تھے، مگر مجھے معلوم تھا کہ میں نے روحانیت کے نام سے اب تک جو کچھ کیا ہے، وہ سوائے کرتب کے کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اب مجھے اپنا وہ اہل حدیث دوست یاد آنے لگا جس کا گھر میرے گھر کے ساتھ ہے۔ وہ میرا بچپن کا دوست تھا۔ جب میں گیارہویں شریف کا ختم بڑے اہتمام کے ساتھ دلایا کرتا تھا اور اسے بھی اس ختم میں مدعو کرتا تھا، تو وہ بہت لیت ولعل سے کام لیتا تھا، جس پر میں اس سے سخت ناراضی کا اظہار کرتا اور اسے مزید غصہ دلانے کے لیے ''یاعلی مدد'' کا نعرہ بلند کر دیتا، اس پر اس کے ماتھے پر سلوٹیں پڑ جاتیں اور میں اسے اور زیادہ جلی کٹی سناتا، مگر وہ اس پر مجھے قرآن کی آیات اور احادیث سناتا، شرک سے ڈراتا اور اللہ کی عظمت وجلال سے آگاہ کرتا اور میرے ہر نئے تکلیف دہ رویے پر ہمیشہ درگزر سے ہی کام لیتا۔ اب ایک طرف اہل دربار اور اصحاب طریقت کی پستیاں تھیں، جن سے میں گزر چکا تھا اور دوسری طرف یہ اعلیٰ کردار اور اخلاق!! ان سے اب میرے دل میں نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ لیکن بزرگوں کے ڈر سے اپنی نفرت کو دبائے ہوئے تھا مگر اب جب اپنے اس دوست کی باتوں پر غور کرتا تو مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میرے تاریک سینے میں روشنی کی کوئی کرن داخل ہو جائے گی اور پھر ابھی تک میرے

اس اہل حدیث دوست نے بھی تو میری جان نہ چھوڑی تھی۔ یہ متواتر مجھے ہدایت کی طرف بلائے چلا جارہا تھا۔ حتیٰ کہ میں آخر کار اللہ کریم کی توفیق سے ہی اس کی ذات اقدس سے ڈر گیا اور جونہی اپنے رب سے ڈرا تو غیر اللہ کا ڈر دل سے کافور ہو گیا۔ اللہ کریم نے میرے دوست عبداللطیف کی دعاؤں کو سن لیا، جو وہ میری ہدایت کے لیے اس وقت سے کیا کرتا تھا جب میں میٹرک کے بعد ''ولایت کے باغ ارم کی سیر'' کے لیے درباروں کی طرف چل نکلا اور وہ قرآن وحدیث کا علم سیکھنے کے لیے مدرسوں کی طرف چلا گیا تھا۔

اب توحید وسنت سے محبت اور شرک و بدعت سے نفرت ہوتی گئی، پھر میری زندگی میں ایک دن وہ بھی آیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے جہاد جیسی عظیم نعمت کی سعادت سے سرفراز فرمایا اور مولانا امیر حمزہ صاحب کے ہمراہ جہاد افغانستان میں حصہ لیا، جہاں میرا ذہن اور زیادہ واضح ہو گیا اور پتا چلا کہ ولایت جس کے لیے ہم رسوا ہوتے رہے، وہ تو یہاں عقیدۂ توحید کے ساتھ میدان جہاد میں ملتی ہے۔

اصلی داتا دربار کی تعمیر

اللہ ہی داتا ہے اور اس کا دربار مسجد ہے۔ چنانچہ افغانستان سے واپس آنے کے بعد ہم نے ابتدا میں عبداللطیف صاحب کے گھر میں ہی ان کی اقتدا میں نماز پنجگانہ کے ساتھ جمعہ بھی شروع کر دیا اور پھر چند ماہ بعد اللہ کی توفیق سے ہم نے گاؤں میں ایک مسجد بنائی جس کا سنگ بنیاد پروفیسر حافظ محمد سعید حفظہ اللہ نے رکھا۔ مسجد کا بننا تھا کہ خانقاہی و درباری نظام کے علمبرداروں نے آسمان سر پر اٹھا لیا، مسجد کو گرانے کی سازشیں شروع ہو گئیں۔ کچھ لوگوں نے ہم دونوں کے قتل کے پروگرام بنائے، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسی تمام سازشوں کو ناکام بنا دیا پھر جب مسجد کی تکمیل ہو گئی تو ہم نے مولانا محمد حسین شیخوپوری حفظہ اللہ کا افتتاحی جلسہ کروایا، جس کی صدارت جامعہ محمدیہ شاہکوٹ کے بانی اور سابق چیئرمین محمد ارشد ساہی صاحب نے کی، جنھوں نے جلسے سے خطاب بھی کیا اور اپنے اہل حدیث ہونے کا ایمان افروز واقعہ بھی بیان

کیا اور لوگوں کو دامن توحید تھامنے کی دعوت دی۔

اب بحمداللہ گاؤں کے لوگ جوق در جوق حق کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں اور باطل کا اندھیرا رفتہ رفتہ چھٹتا جارہا ہے اور اسے تو آخر ایک دن چھٹنا ہی ہے اور حق کو غالب آنا ہے۔ جیسا کہ رب السمٰوات والارض نے قرآن میں یہ فیصلہ دے دیا ہے:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿۸۱﴾

(بنی اسرائیل: ۸۱)

”حق غالب آگیا اور باطل بھاگ گیا اور بے شک (جھوٹ) باطل کو بھاگنا ہی ہوتا ہے۔“

باب نمبر۳

عیسائیوں اور مسلمانوں کی نعتیں

حضرت محمد ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام کو ''الٰہ'' بنانے کی ایک جیسی کوششیں

یہ دیکھیے! عیسائیوں کا جلوس نکل رہا ہے...... یہ لاہور ریلوے سٹیشن کے بڑے چرچ سے نکلا ہے ...... مال روڈ پر آ چکا ہے ......ان کا بشپ آگے آگے ایک ڈولی میں کھڑا ہے...... نوجوان اسے اٹھائے ہوئے ہیں...... پیچھے پیچھے عورتیں ہیں...... بچے ہیں، نوجوان ہیں...... ''یسوع مسیح کی جے'' کے نعرے لگا رہے ہیں، لوگ ناچ رہے ہیں، ڈانس کر رہے ہیں، گا رہے ہیں، کیتھڈرل چرچ میں جب میں ۲۵ دسمبر کو گیا تو وہاں عورتیں، مرد اور بچے سب اکٹھے تھے، ڈھول بج رہا تھا، عیسیٰ علیہ السلام کے میلاد کا جشن منایا جا رہا تھا، نعتیں پڑھی جا رہی تھیں۔ ان نعتوں میں سے چند ایک بطور نمونہ یہ ہیں:

جادو سروں کا چھا گیا:

ساز اٹھاؤ، طبلے بجاؤ، جادو سروں کا چھا گیا

....

گیت گاؤ، خوشیاں مناؤ، یسوع جہاں میں آ گیا
آنکھوں سے سب کے آنسو تھے بہتے

چپ چاپ غموں سے تھے وہ سہتے
خوابوں کی چادر بنتے تھے رہتے
ساز اٹھاؤ' طبلے بجاؤ، جادو سروں کا چھا گیا

....

یسوع کو اپنے دلوں میں بسا کر
آنکھوں میں اس کی محبت سجا کر
گناہوں کے اندھیرے مٹا کر
دکھی دلوں کو اجالے میں لا کر
ساز اٹھاؤ' طبلے بجاؤ، جادو سروں کا چھا گیا

آؤ موج منایے:

اب ایک ریکارڈ شدہ پنجابی نعت سنیے جسے الیاس اور شازیہ نام کے گلوکاروں نے گایا ہے ۔

فیر ویلا خوشیاں دا آیا' آؤ موج منایے
اج یسوع دنیا تے آیا' آؤ بھنگڑے پایے
ساڈے لئی اج رب نے ویکھو کیسا کم وکھایا
آپے تھلے آیا
جیویں روہیس پیار سی پایا، آؤ پیار ودھایے
پھر ویلا خوشیاں دا آیا' آؤ موج منایے
وڈا دن منایے
اج یسوع دنیا تے آیا' آؤ بھنگڑے پایے

قارئین کرام! جب طبلے کی تھاپ پر مرد اور عورت کا یہ مشترکہ گیت گایا جائے اور باقی

لوگ ایسے ہی بھنگڑے ڈالیں، عبادت کا ایسا انداز اپنائیں گے، تو ظاہر ہے نتیجہ کیا نکلے گا؟

تجھے جب بھی پکارا:

اب ان نعتوں سے چند شرکیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

تو ہے یسوع بن کے آیا میرے لیے
تو نے روشن کر دیے دونوں جہاں میرے لیے
تو ہے میری زندگی تو ہے میری بندگی
تو جسے مل جائے حاجت کوئی رہتی نہیں
نیا میری منجدھار میں ڈوبی، کون لگائے پار؟
کھیون یسوع ہو سکتا ہے تیری نیا کی پتوار
امیدوں کے گلشن کو تو نے سنوارا
مسیحا تجھے جب بھی پکارا
آؤ سارے رل مل گایے
یسوع ساڈا شافی اے
اوہو ساڈا راکھا سجنو، اوہدے ناں وچ معافی اے
اپنیاں بھیڈاں نوں او ول کے
ہر تھاں آپ بچاوے گا

عیسائیت کا پیغام مسلمان فنکاروں کے ذریعہ:

عیسائی لوگ بڑے طریقے سے اپنے نام کا لیبل لگائے بغیر ایک کیسٹ بازار میں لائے ہیں۔ کیسٹ کا عنوان ہے: ''حمد خدا'' انبیائے کرام اور بزرگوں کے گیت، جدید شاعری اور طرزوں میں......اب اس کیسٹ میں ریکارڈ شدہ چند گیتوں کی فہرست پر ایک نظر ڈالیے!

عاجزی کی دعا (زبور شریف سے)......مہدی حسن

حضرت داؤد علیہ السلام کا گیت (زبور شریف سے)......ترنم ناز

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا گیت (زبور شریف سے)......غلام عباس

حضرت مریم (علیہا السلام) کا گیت (انجیل شریف سے)......مہناز

راست باز آدمی کی خوبیاں (زبور شریف سے)......مہناز

میں خدا کی ثنا (قوالی) (تورات شریف سے)......نصرت فتح علی خان

غور فرمایئے! ان گیت گانے والوں میں اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے بھی شامل ہیں۔ لیکن اس نسبت کی انھیں پروا نہیں۔ ان ظالموں کو پیسا چاہیے۔ پیسے کے لیے یہ لوگ فحاشی اور بدکاری تو پہلے ہی پھیلا رہے ہیں، اب پیسے لے کر عیسائیوں کا پیغام بھی پھیلا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب میلادی مولوی اور صوفی کو پیٹ کے پیش نظر دین کی کوئی پروا نہ رہے، چاہے اس کے لچھن عیسائیوں کی نقل ہوتے چلے جائیں، تو پھر ان گانے والے بھانڈوں کو کیا پروا ہو سکتی ہے؟

اب مسلمانوں نے بھی سازوں اور طبلوں پر نعتیں گانا شروع کر دی ہیں۔ ویگنوں اور بسوں میں دعوت اسلامی کی نعتیں عام طور پر سازوں کے ساتھ سنی جا رہی ہیں اور کئی کتابوں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس نعت کو فلاں گانے کی طرز پر گانا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بار تورات کا ورق پڑھ رہے تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہو گئے اور فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَوْ بَدَالَكُمْ مُوْسٰی فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَ تَرَكْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ وَ لَوْ كَانَ حَيًّا وَ أَدْرَكَ نُبُوَّتِیْ لَا تَّبَعَنِیْ))

(سنن دارمی، المقدمة، باب ما يتقى من تفسير حديث النبی...... الخ: ٤٤١)

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی

ظاہر ہو جائیں، تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کرنے لگو تو سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پا لیتے تو میری ہی پیروی کرتے۔''

اے آخری رسول کے امتیو! تم سے پہلے جو قوم گمراہ ہوئی وہ عیسائی ہیں۔ اس قوم کے لوگ اس لیے گمراہ ہوئے کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا اور کبھی خدا ہی کہہ ڈالا۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ (التوبۃ:۳۰)

''عیسائیوں نے کہا کہ مسیح تو اللہ کا بیٹا ہے۔''

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدۃ:۷۲)

''بے شک اللہ تو وہی ہے جو مریم کا بیٹا ''مسیح'' ہے۔''

سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے اس گمراہ قوم کا ایک قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (المائدۃ:۷۳)

''بے شک اللہ تین میں کا تیسرا ہے (یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس)۔''

اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! غور سے دیکھو! اللہ عیسائیوں کے گمراہ کن فلسفوں کا تذکرہ کر کے تمہیں ڈرا رہے ہیں کہ دیکھنا تم بھی ان گمراہ لوگوں جیسے فلسفے نہ بگھارنا شروع کر دینا اور پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

((لَا تُطْرُوْنِیْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهُ))

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الأنبياء، باب قول الله تعالیٰ:"واذكر فی الكتاب مريم اذ انتبذت من اهلها":۳٤٤٥)

''میری تعریف میں حد سے نہ بڑھنا جس طرح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں عیسائی حد سے بڑھ گے، بس حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہو، تم مجھے اس کا بندہ

اور رسول ہی کہو۔''

قارئین کرام! قرآن ڈرائے، اللہ کا نبی ﷺ خوف دلائے مگر نہ تو پہلے محبان عیسیٰ باز آئے۔ اور نہ اب محبان محمد ﷺ کہلوانے والے ہی رکے۔ اگر انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا، کبھی اللہ اور کبھی تین میں کا تیسرا کہا تو ہمارے لوگوں نے حضرت محمد ﷺ کو کبھی اللہ کے نور میں سے نور قرار دے دیا، کبھی اللہ ہی کہہ دیا اور کبھی اللہ میں شامل کر دیا یعنی عیسائیوں نے تین کو الٰہ مانا تو انھوں نے دو کو معبود بنا لیا۔

مسلمانوں کی نعتوں کے چند نمونے:

قارئین کرام! اب میں آپ کو یہ سارے انداز عشق رسول ﷺ کا دعویٰ کرنے والوں کے کلام میں دکھلاتا ہوں۔ سب سے پہلے آج کے دور میں بڑے عاشق رسول سمجھے جانے والے احمد رضا خاں بریلوی ہیں کہ جنھیں ان کے ماننے والے ''اعلیٰ حضرت'' کہتے ہیں۔ اب یہ اعلیٰ حضرت کی تعلیم ہے یا ان کے ماننے والوں کی اپنی اختراع ہے کہ تمام رسولوں حتیٰ کہ آخری نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں کے ساتھ صرف ''حضرت'' لکھتے ہیں مگر احمد رضا کے نام کے ساتھ ''اعلیٰ حضرت'' لکھتے ہیں اور یہ پھر بھی عاشقان رسول ہیں!! یہ گستاخ نہیں بنتے، چاہے جو مرضی کرتے پھریں۔ بہر حال یہ تو تھا جملہ معترضہ۔ آیے احمد رضا خاں صاحب کا کلام پڑھیں اور عیسائیوں کی نقالی ملاحظہ کریں جو نعتوں کے مجموعہ ''حدائق بخشش'' میں گویا ہیں۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

(حدائق بخشش: ۱۵، شائع کردہ شبیر برادرز لاہور)

دونوں کے مابین ''میرے تیرے'' کا فرق ختم کرنے کے بعد اب یہ اعلیٰ حضرت صاحب

اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ دونوں کو عرش پر اکٹھا بٹھاتے ہیں۔

جس کو شایان ہے عرش خدا پر جلوس
ہے وہ سلطان والا ہمارا نبی

(حدائق بخشش: ۴۹)

قارئین کرام! احمد رضا خاں کو عرش پر فقط بٹھانے سے قرار نہیں آیا بلکہ وہ آگے بڑھتا ہے اور یوں رقمطراز ہوتا ہے۔

زہے عزت و اعتلائے محمد
کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد

(مجموعہ نعت: ۲۰)

یعنی محمد ﷺ کی عزت اور بلندی اس قدر بالا ہے کہ اللہ کا عرش ان کے پیروں تلے ہے۔اسی طرح بریلویوں کے معروف شعراء کی نعتوں کو ''نخلستان'' کے نام سے شکیل مصطفیٰ نے مرتب کیا۔اس کے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں ۔

مالک کون و مکاں ذات رسول عربی
احمد بے میم عیاں ذات رسول عربی

(نخلستان: ۳۰)

یعنی ساری کائنات کے وہ مالک ہی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ احمد کی ''میم'' کو نکال دو ''احد'' رہ جائے گا یعنی وہ خود اللہ ہے۔ (نعوذ بالله من ذلك)

اور اعظم چشتی کہتا ہے ۔

وہ خدا نہیں بخدا نہیں
وہ مگر خدا سے جدا نہیں

غور فرمایے! جس طرح عیسائی کبھی تو کہتے ہیں کہ عیسیٰ ہی اللہ ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ

نہیں وہ تین میں کا تیسرا ہے۔ اس طرح یہ لوگ کبھی تو کہتے ہیں کہ ''احمد'' ہی ''احد'' یعنی محمد ﷺ ہی اللہ ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! محمد ﷺ اللہ تو نہیں مگر اللہ سے جدا بھی نہیں یعنی اللہ اور محمد ﷺ دونوں کو ایک کر دیا، جس طرح عیسائیوں نے اللہ، عیسیٰ اور روح القدس تینوں کو ایک کر دیا۔

منور بدایونی ''نور من نور اللہ'' یعنی اللہ کے رسول ﷺ اللہ کے نور میں سے نور ہیں'' کا فلسفہ یوں بیان کرتے ہیں ۔

مصطفیٰ کے نور میں ہے ذات باری جلوہ گر
مصطفیٰ کا نور یوں کہیے خدا کا نور ہے

(مجموعہ نعت: ۲۰۰)

اللہ تعالیٰ ''سورۂ نور'' میں فرماتے ہیں:

اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ (النور: ٣٥)

''اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔''

منور بدایونی یہاں بھی رب تعالیٰ کا مقابلہ کرتے ہوئے کہتا ہے ۔

تو نہ ہوتا تو نہ ہوتا دو جہاں کا انتظام
تو زمین کا نور ہے تو آسماں کا نور ہے

(نخلستان: ۱۰۵)

اسی طرح دعوت اسلامی کے سربراہ محمد الیاس قادری رضوی اپنی کتاب ''مغیلان مدینہ'' میں یوں رقمطراز ہیں ۔

عرش علی سے اعلیٰ میٹھے نبی کا روضہ
ہے ہر مکاں سے بالا میٹھے نبی کا روضہ

(مغیلان مدینہ: ۳۵)

الیاس قادری صاحب اللہ کے رسول ﷺ کے روضے کو عرش سے بالا کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کے اختیارات بھی نبی ﷺ کو سونپ رہے ہیں۔ ذرا جسارت ملاحظہ ہو!

نہ کیوں آج جھومیں کہ سرکار آئے
خدا کی خدائی کے مختار آئے

(مغیلان مدینہ:۱۴)

یعنی اللہ کے رسول ﷺ اللہ کی الوہیت کے اختیارات لے کر الیاس قادری کی مجلس میں آگئے (اللہ کی پناہ ایسے عاشق سے)۔

قارئین کرام! اللہ کی گستاخی یہیں پر بس نہیں بلکہ اللہ کو (نعوذ باللہ) اپنے رسول ﷺ کا اپنی طرح نعت خواں بنا چھوڑا۔ بات ذرا سمجھنے کی ہے یعنی ایک بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کئی مقامات پر اپنے نبی ﷺ کی شان بیان فرمائی ہے۔ وہ شان اللہ دینے والا ہے اور قرآن میں بیان کر کے ہمیں اس شان سے آگاہ فرمانے والا ہے۔ لیکن یہ بالکل مختلف انداز ہے اور یہ انداز اللہ کی شان اور عظمت کے لائق ہے۔ مگر ایک وہ انداز ہے کہ جسے بریلوی شعراء نے اپنایا ہے۔ مجموعہ نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

دو عالم میں کوئی کیا کر سکے رتبہ بیان ان کا
خدائے دو جہاں خود بن رہا ہے مدح خواں ان کا

(مجموعہ نعت:۹۶)

اسی طرح نخلستان میں محمد علی ظہوری کا شعر ہے:

اللہ وی پڑھے نعت جہدی آپ ظہوری
حق اوہدیاں نعتاں دا ادا کون کرے

(نخلستان :۱۵۰)

قارئین کرام! عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا تو اللہ نے غضبناک ہو کر ان کے اس جملے پر یوں عتاب فرمایا:

تَكَادُ السَّمَوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ (مریم:۹۰)

''قریب ہے کہ اس جملے سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں' زمین پھٹ جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔''

اللہ کو اپنے رسول ﷺ کا نعت خواں بنانے والو! یہی بات تمھارے لیے ہے کہ قریب ہے کہ تمھارے ان الفاظ سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں' زمین پھٹ جائے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ تم نے رب کو رسول ﷺ کا نعت خواں بنا ڈالا۔

قارئین کرام یہ لوگ عرش کا تذکرہ کریں تو گستاخیاں اور فرش کا تذکرہ کریں تو گمراہیاں۔ایک گمراہ کن انداز ملاحظہ ہو ؎

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

(حدائق بخشش:۴۶،مجموعہ نعت: ۱۰۱)

یعنی اللہ کے رسول ﷺ کا روضہ کعبے کا کعبہ ہے۔ارے بھئی! یہ گمراہ کن سوچ تو نے کہاں سے لی......؟ یہ مقابلہ، یہ موازنہ جو اعلیٰ حضرت نے حدائق بخشش میں کیا ہے' یہ کس حیثیت سے کیا ہے؟ اللہ کی پناہ ایسی فضول سوچوں سے۔

احمد رضا خاں بریلوی کا ایک پیروکار اسی انداز کا ہی ایک شعر یوں کہتا ہے ؎

سوچتا ہوں مدینے کو جب جاؤں گا' کیسے آداب بجا لاؤں گا
روک لوں گا میں سجدوں سے کیسے جبیں، جب وہ کعبے سے بڑھ کر مقام آئے گا

(مجموعہ نعت:۱۰۱)

''کُن'' تے کل دی گل اے:

فصیح الدین سہروردی بریلوی حضرات کا معروف نعت خواں ہے۔اس کی ایک کیسٹ

بازار میں آئی ہے۔ پہلی نعت میں وہ کہتا ہے ع

اللہ کا دیدار ہے دیدار مصطفیٰ

اور پھر ''کن'' کی نعت یوں پڑھتا ہے۔ پنجابی بول ملاحظہ ہوں ؎

کن دے پیارے ناں ہن
آدم دے گارے ناں ہن
عرشاں دے تارے ناں ہن
ندی کنارے ناں ہن
قائدے سپارے ناں ہن
دن دے نظارے ناں ہن
ہر شے خدا بنائی
تیرے پیار دا صلہ

....

کن تے کل دی گل اے
اک ذات اے خدا دی دوجا نور مصطفیٰ

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے بندوں کو بتلایا کہ جب میں کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو ''کن'' کہتا ہوں، ''فیکون'' وہ ہو جاتا ہے۔

اب یہ شاعر کہتا ہے کہ کن تو کل کی بات ہے، کن سے پہلے ایک اللہ تھا اور دوسرا نور مصطفیٰ تھا اور یہ بھی کہتا ہے کہ دونوں ہی ایک ہیں۔ جس نے مصطفیٰ کا دیدار کر لیا، اس نے اللہ تعالیٰ دیکھ لیا۔ حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ تو اس کے برعکس فرما رہے ہیں:

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٦٩﴾ (ص: ٦٩)

''مجھے اوپر کی مجلس (والوں) کا جب وہ جھگڑتے تھے تو کچھ بھی علم نہ تھا۔''

یعنی جب فرشتے یہ کہہ رہے تھے کہ ''اے اللہ! اس آدم کو بنا کر تو کیا کرے گا؟ یہ تو زمین میں خونریزی کرے گا، تو اس وقت جو گفتگو ہو رہی تھی مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔'' مگر یہ میلادی مولوی اور شاعر ہیں کہ مبالغہ کیے جا رہے ہیں۔

عیسائیوں کی ''کُن''......:

اور جناب! اب آیئے! عیسائیوں نے اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں ''کن'' کے بارے میں جو کہا، وہ بھی دیکھیے اور پھر ان کی نعت بھی ملاحظہ کیجیے!

عیسائی پادری ارنسٹ جان اپنی کتاب ''ابن خدا'' میں لکھتا ہے:

''انجیل مقدس بتاتی ہے کہ ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام (یہاں کلام سے مراد جناب یسوع مسیح یعنی کلمۃ اللہ) خدا تھا۔''

غور فرمایے! عیسائی پادری کہتا ہے کہ اللہ کا کلام یعنی کلمہ ''کن'' آغاز میں تھا اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی کلمہ تھے، لہٰذا دونوں ساتھ تھے اور یسوع بھی خدا تھا اور جو مسلمان نعت گو ہے، وہ اس سے بھی اوپر جاتا ہے، وہ کہتا ہے ''کن'' کا کلام تو کل کی بات ہے، اس کلام سے پہلے ہی اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور دونوں موجود تھے!!

قارئین کرام! عیسیٰ علیہ السلام کی نعتوں کی کیسٹیں بھی بازار میں آئی ہیں۔ ایک کیسٹ سے نعت کہ جسے ہم پیش کر رہے ہیں، یہ اے نیر اور ترنم ناز کی آواز میں ہے، اسے بھی ملاحظہ کیجیے۔

مجسم ہو کے دیکھو پیارا آیا
خدائے پاک کا اوتار آیا
ہر ایک لب پر خوشی کے ہیں ترانے
گناہ سے ہم کو چھڑانے آیا

....

ہمارا حامی و غم خوار آیا
میرا شافی میرا دلدار آیا
بڑی عالم کو جس کی جستجو تھی
تمنا جس کی سب کو کوبکو تھی سبھی نبیوں کو

....

جس کی آرزو تھی
وہ جس کا کوئی ہم سر بھی نہیں
عبادت کا ہے جو حق دار آیا

عابدہ خانم کی نعت:

مردوں کی مجلسوں میں دھمالیں ڈالنے والی، لوک گلوکارہ عابدہ پروین تو بڑی معروف ہے۔اسی قبیل سے عارفانہ کلام گانے والی ایک دوسری گلوکارہ عابدہ خانم کی ایک نعت جو بہت زیادہ مشہور ہوئی ہے، آیئے اور ذرا اس پر بھی ایک نظر ڈالیں ۔

شاہ مدینہ یثرب کے والی
سارے نبی تیرے در کے سوالی
جلوے ہیں سارے تیرے ہی دم سے
آباد ہیں عالم تیرے کرم سے
باقی ہر اک شے نقلی ، خیالی
سارے نبی تیرے در کے سوالی

....

تیرے لیے ہی دنیا بنی ہے
نیلے فلک کی چادر تنی ہے

تو گر نہ ہوتا دنیا تھی خالی
سارے نبی تیرے در کے سوالی

....

مذہب ہے تیرا سب کی بھلائی
مسلک ہے تیرا مشکل کشائی
دیکھ اپنی امت کی خستہ حالی
سارے نبی تیرے در کے سوالی

غور فرمایے! اس عورت نے تمام نبیوں کو اللہ کے آخری رسول ﷺ کے در کا سوالی بنا دیا حالانکہ قرآن کہہ رہا ہے کہ جب بھی کسی نبی کو کوئی تکلیف پہنچی تو اس نے صرف اپنے اللہ سے فریاد کی اور وہ پیغمبر اسی کے در کا سوالی بنا۔

آدم اور حوا علیہما السلام سے غلطی ہوگئی تو انھوں نے اللہ سے رحم کی درخواست کی اور معافی مانگتے ہوئے فرمایا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٢٣﴾ (الاعراف: ٢٣)

”اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کرلیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“

آدم ثانی روح علیہ السلام نے یوں فریاد کی:

فَدَعَا رَبَّهُۥٓ أَنِّى مَغْلُوبٌ فَٱنتَصِرْ ﴿١٠﴾ (القمر: ١٠)

”پھر اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں تو (ان مشرکوں کے ہاتھوں) مغلوب ہوگیا ہوں لہٰذا میری مدد کر۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام یوں کہتے ہیں:

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿٨٠﴾ (الشعراء:٨٠)

''جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔''

ایوب علیہ السلام بیماری سے عاجز آئے تو یوں کہنے لگے:

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُۥٓ أَنِّى مَسَّنِىَ ٱلضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ ٱلرَّٰحِمِينَ ﴿٨٣﴾ (الانبیاء:٨٣)

''جب ایوب (علیہ السلام) نے اپنے رب سے فریاد کی کہ مجھے سخت بیماری لگ گئی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔''

حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے میں بیٹا مانگا تو یہ کہہ کر اپنے رب سے مانگا:

رَبِّ هَبْ لِى مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ﴿٣٨﴾ (آل عمران:٣٨)

''پروردگار! مجھے اپنی جناب سے صالح اولاد عطا فرما۔''

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے بدکاروں کے مقابلے میں عاجز آ کر اپنے اللہ ہی سے مدد کی فریاد کی:

قَالَ رَبِّ ٱنصُرْنِى عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْمُفْسِدِينَ (العنکبوت:٣٠)

''میرے رب! فسادی لوگوں کے مقابلے میں میری مدد کو پہنچ۔''

یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تو یوں فریاد کی:

فَنَادَىٰ فِى ٱلظُّلُمَٰتِ أَن لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبْحَٰنَكَ إِنِّى كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٨٧﴾ (الانبیاء:٨٧)

''اس نے اندھیروں میں فریاد کی، تیرے سوا کوئی مشکل کشا نہیں، آپ بڑے پاکباز ہیں، قصور واروں میں سے تو میں ہی تھا۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر یونس (علیہ السلام) میری پاکیزگی بیان نہ کرتا یعنی مجھ سے فریاد نہ کرتا تو:

لَلَبِثَ فِى بَطْنِهِۦٓ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٤٤﴾ (الصافات:١٤٤)

''قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتا۔''

قارئین کرام! اللہ کے نبیوں کا تو یہ طریقہ قرآن میں بیان ہوا، جبکہ عابدہ خانم اپنی نعت کا آغاز ہی اس سے کرے کہ سارے نبی محمد ﷺ کے در کے سوالی ہیں، کس قدر بڑا جھوٹ، نبیوں پر الزام اور ان کی توہین ہے اور ظلم تو یہ ہے کہ یہ نعت اس قدر معروف ہے کہ ہر شرکیہ گھر میں فجر کا آغاز اس سے کیا جاتا ہے۔ بسوں اور ویگنوں میں پہلے پھیرے میں پہلی نعت یہی لگائی جاتی ہے، جس میں نبیوں پر بھی غیر اللہ سے مدد مانگنے کا بہتان ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ پر بھی بہتان ہے کہ ان کا مذہب اور مسلک مشکل کشائی ہے حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ کا مسلک وہ نہیں جو عابدہ خانم جیسی گویّن (مغنیہ) اللہ کے رسول ﷺ سے منسوب کرے، اللہ کے رسول ﷺ کا مسلک تو وہ ہے جو آپ ﷺ نے خود بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭوَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۝

(الاعراف: ۱۸۸)

''میرے رسول! انھیں کہہ دو کہ میں اپنی ذات کے لیے نہ کسی نفع اور نہ نقصان ہی کا اختیار رکھتا ہوں اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں بہت سارے فوائد حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔''

تو جناب! یہ ہے اللہ کے رسول ﷺ کا مسلک جس کا وہ خود اعلان کر رہے ہیں اور اللہ ان سے کرا رہا ہے۔ مگر ہم ان بے سمجھ گویوں کی کیا بات کریں اور انھیں اس جہالت پر ہم کیا کہیں۔ یہاں تو بہت بڑا عالم احمد رضا خاں بریلوی اپنی یہ رٹ لگائے چلا جا رہا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کو مخاطب کر کے یہ نعت کہے جا رہا ہے ؎

منجدھار پے آ کر ناؤ ڈوبی
دے ہاتھ کہ ہوں میں پار آقا

....

گرداب میں پڑ گئی کشتی
ڈوبا ڈوبا اتار آقا

(حدائق بخشش:۱۰)

قارئین کرام! عیسائی اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں اپنی نعت پڑھتے ہوئے بھی ایسے ہی کہے جا رہے ہیں۔ ان کے اشعار بھی دوبارہ ملاحظہ ہوں ۔

نیا میری منجدھار میں ڈوبی
کون لگائے گا پار؟
کھیون یسوع ہو سکتا ہے
تیری نیا کی پتوار

قارئین کرام! ہم لاکھ کہیں کہ دیکھو! یہ انداز عیسائیوں کا ہے، یہ مشابہت صلیب کے پجاریوں کی ہے اور پھر قرآن کے دلائل دیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات سامنے رکھیں مگر احمد رضا خاں ایسے ڈٹے ہوئے ہیں کہ اپنے پیروکاروں کو بھی یہی کہے جا رہے ہیں ۔

سنیو ان سے مدد مانگے جاؤ
پڑے بکتے رہیں بکنے والے

(حدائق بخشش:۵۸)

اور پھر احمد رضا خاں مدد کی بھیک یوں مانگتے ہیں۔ انداز ملاحظہ ہو ۔

یا الٰہی! رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے
یا رسول اللہ! کرم کیجیے خدا کے واسطے

(حدائق بخشش:۵۳)

قارئین کرام! اندازہ کیجیے، احمد رضا خاں صاحب کے ہاں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فرق ہی کوئی نہیں۔ اللہ سے رحم کی درخواست کی تو مصطفیٰ کا واسطہ دے دیا اور مصطفیٰ سے کرم کی درخواست کی تو اللہ کا واسطہ دے دیا۔

اور جب اہل توحید نے اس انداز سے ڈرایا، خوف دلایا تو احمد رضا نے کہہ دیا ؎

خوف نہ رکھ رضا، تو تو ہے عبد مصطفیٰ
تیرے لیے امان ہے، تیرے لیے امان ہے

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا کسی صحابی، تابعی یا تبع تابعی کا نام عبد مصطفیٰ تھا، عبد رسول تھا، عبد محمد تھا؟ اللہ کے بندے تو نے یہ کام کیوں کیا؟...... حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ کے والد کا نام بھی عبداللہ تھا۔ اللہ کے بندے تو اس انتہا کو جا پہنچا اور پھر بھی دعویٰ ہے کہ میرے لیے امان ہے۔ امان کیا بلکہ جنت کی ٹھیکیداری بھی ہے، ملاحظہ کریں ؎

تجھ سے جنت اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ کے، جنت رسول اللہ کی

(حدائق بخشش بحوالہ مجموعہ نعت: ۳۴)

عیسائی میلادیوں کا پختہ اعتقاد، مسلم میلادیوں کا شکی خیال:

عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد منانے والے عیسائی میلادیوں کا پختہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، وہ بشر کے روپ میں اس زمین پر آئے، ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کر کے پھانسی پا گئے، اب ہمیں کھلی چھٹی ہے جو چاہیں کریں اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام ہر جگہ موجود ہیں اور ہماری مدد کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا میلاد منانے والے بعض مسلمان میلادیوں کی نعتوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ بن کر زمین پر آ گئے، وہ اللہ کے نور میں سے نور ہیں، بشر نہیں تھے بلکہ بشر کے لبادہ میں تھے۔ وہ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں اور یہ کہ ان کی نعتیں پڑھنے کی وجہ سے وہ ہمیں جنت میں لے جائیں گے۔ عقیدہ یہی ہے، مگر بعض جگہ شکوک کا بھی اظہار ہے۔ ملاحظہ ہو، خالد محمود کہتا ہے ؎

کوئی سلیقہ ہے آرزو کا، نہ بندگی میری بندگی ہے
یہ سب تیرا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

(نخلستان: ۷۲)

صائم چشتی یوں کہتا ہے۔

کملی والے میں قربان تیری شان پر
سب کی بگڑی بنانا تیرا کام ہے

(نخلستان:۹۲)

قارئین کرام! اب اللہ کے رسول ﷺ کہاں ہیں کہ یہ لوگ آپ ﷺ کو آواز دے کر اپنی بگڑی بنوالیں، بات بنوالیں اور بندگی کرلیں۔ ملاحظہ ہو! میلاد کی رات کے متعلق صائم چشتی کہتا ہے:۔

خود محمد ﷺ ہیں تشریف لائے ہوئے
کس قدر جانفزا آج کی رات ہے

(نخلستان:۳۷)

اورعبدالستار نیازی یوں شک کا اظہار کرتے ہیں ۔

یاد نبی کا گلشن مہکا مہکا لگتا ہے
محفل میں موجود ہیں آقا ایسا لگتا ہے

(نخلستان:۹٦)

اور تیسرا اپنے شک کا اظہار یوں کرتا ہے۔

لب پہ صلی علی کے ترانے، اشک آنکھوں میں آئے ہوئے ہیں
یہ ہوا، یہ فضا کہہ رہی ہے، آقا تشریف لائے ہوئے ہیں

(نخلستان:۴۷)

اصغرعلی کہتا ہے۔

کدی آویں تے دکھڑے سناواں عرشاں تے جان والیا
تیری راہ وچ اکھیاں وچھاواں عرشاں تے جان والیا

(نخلستان:۱۲۷)

قارئین کرام! آمد رسول ﷺ کا پیغام کسی کو ہوا دے رہی ہے، کسی کو فضا دے رہی ہے، کسی کو ویسے ہی ایسا لگ رہا ہے کہ آپ ﷺ آئے ہوئے ہیں' کوئی اس انتظار میں ہے کہ آپ ﷺ آئیں اور وہ آپ کو اپنا دکھڑا سنائے۔ اب آپ ﷺ کو لانے کے لیے محفل میلاد ضروری ہے، نعت خواں ضروری ہے، حلوے مانڈے کا ختم ضروری ہے۔ یہ سب ایسے بے تکے تیر چلا رہے ہیں اور ادھر اللہ کے رسول ﷺ فرما رہے ہیں، صحیح بخاری کے الفاظ ہیں:

''(ایک صبح اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خواب سنایا اور اس خواب کے مشاہدات ملاحظہ کرنے کے بعد آخر میں حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے عرض کی)

((أَنَا جِبْرِيْلُ وَ هٰذَا مِيْكَائِيْلُ فَارْفَعْ رَأْسَكَ فَرَفَعْتُ رَأْسِيْ فَإِذَا فَوْقِيْ مِثْلُ السَّحَابِ قَالَا ذَاكَ مَنْزِلُكَ قُلْتُ دَعَانِيْ اَدْخُلْ مَنْزِلِيْ قَالَا إِنَّهُ بَقِيَ لَكَ عُمَرٌ لَمْ تَسْتَكْمِلْهُ فَلَوِ اسْتَكْمَلْتَ أَتَيْتَ مَنْزِلَكَ))

(صحيح بخاری، کتاب الجنائز، باب : ١٣٨٦)

''میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں اور آپ اپنا سر اٹھائیں۔ (آپ ﷺ فرماتے ہیں) جب میں نے اپنا سر اٹھایا تو میرے اوپر سفید بادل کی مثل کچھ تھا۔ انھوں نے کہا: ''یہ آپ ﷺ کا محل ہے۔'' میں نے کہا: ''مجھے چھوڑو تاکہ میں اپنے محل میں داخل ہو جاؤں۔'' تو انھوں نے کہا ابھی آپ ﷺ کی عمر باقی ہے جسے آپ ﷺ نے پورا نہیں کیا۔ جب آپ ﷺ اسے پورا کر لیں گے تو آپ ﷺ اپنے محل میں تشریف لائیں گے۔''

قارئین کرام! یہ بے چارے یہاں رو رو کر اپنا ایمان اور عقیدہ خراب کر رہے ہیں، عیسائیوں سے مشابہت کر رہے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ اس دنیا سے فوت ہونے کے بعد اپنے سفید محل میں آرام فرما رہے ہیں۔ (ان شاء اللہ الرحمٰن)

میلادیوں کے عقائد سے مشابہ عیسائیوں کے چند نمائندہ اشعار:

پیارے قارئین کرام! اب عیسائیوں کے چند اشعار بھی ملاحظہ فرمالیں اور دیکھیں کہ میلادیوں کا عقیدہ ان سے کس قدر ملتا جلتا ہے۔

فلک پہ روشن ہوا ستارہ، فضا میں گونجا نیا ترانہ
جہاں میں آئے ہیں ابن مریم، لیے مسرت کا خزانہ
وہ جس نے چھوڑی فلک کی عظمت زمین پہ بن کے غریب آیا
جہاں کو درس حیات دینے وہ بن کے سب کا حبیب آیا
وہ شاہ ارض وسماء کہ جس کی ہے دسترس میں ہر اک زمانہ

ایک دوسری نعت ملاحظہ ہو۔

عرش بریں سے یسوع انسان بن کے آیا
دنیا میں رحمتوں کا سامان بن کے آیا
ظاہر میں تھا وہ مفلس اس میں نہیں مضائقہ
باطن میں انبیاء کا سلطان بن کے آیا

ایک تیسرا بند بھی ملاحظہ ہو۔

زمانوں سے یہ نبیوں کی آرزو تھی
زمین پہ خدا خود کرے بادشاہی
چلو آستانہ پہ اس کے جھکیں ہم
دل و جان سے اس کے سجدہ کریں ہم

''کتا'' بننے میں تقدم و ترقی:

قارئین کرام! نعتیں بھی بہت ہیں، کتاب وسنت کی روشنی میں تبصرے بھی بہت ہیں، مگر میں اپنی بات سمیٹتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ میں نے بڑی کوشش کی کہ عیسائیوں کی نعتوں میں مجھے کوئی ایسی نعت نظر آئے کہ عیسائی نعت خواں نے گلیل کی گلیوں' ناصرت کے

بازاروں اور یروشلم کی گلیوں کا ''کتا'' بننے کی کوشش کی ہو۔مگر یہ تقدم، یہ ترقی اور یہ انداز مجھے صرف بریلوی میلادیوں کی نعتوں میں نظر آیا کہ وہ ''کتا'' بننے کی کوشش کر رہے ہیں، عیسائی نعت خوانوں کی نعتوں میں نظر نہیں آیا۔ ملاحظہ ہو دعوت اسلامی کے سربراہ محمد الیاس قادری کا نعتیہ شعر ؂

میں مدینے کی گلی کا کوئی کتا
کاش ہوتا نہ میں انسان مدینے والے

(مغیلان مدینہ:۴۳)

قارئین کرام! قادری صاحب پاکستان میں پیدا ہوئے، انھیں اس بات پر افسوس ہے کہ وہ کیوں انسان پیدا ہوئے، کاش! وہ مدینے کی گلی کا ''کتا'' ہوتے۔ حالانکہ مدینے میں جو قرآن نازل ہوا وہ قرآن ''سورۂ اعراف'' میں ایک ایسے عالم کا تذکرہ کرتا ہے جو شریعت کا علم رکھتا تھا مگر وہ اس علم سے نکل کر شیطان کے پیچھے چل نکلا تو دنیا کا بندہ بن گیا۔ اللہ کا قرآن کہتا ہے:

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ﴿١٧٦﴾ (الاعراف: ١٧٦)

''اس شخص کی مثال کتے کی سی ہے۔''

اسی طرح کوئی شخص کسی بھائی کو کوئی شے ہبہ کرکے واپس لیتا ہے تو صحیح بخاری کے مطابق اس کی مثال بھی اللہ کے رسول ﷺ نے کتے سے دی ہے' جو قے کرکے کھا لیتا ہے۔ اسی طرح اگر کتا برتن میں منہ ڈال دے تو صحیح بخاری ومسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اس برتن کو سات بار دھویا جائے۔ صحیح بخاری ومسلم میں آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ جس کالے کتے کی آنکھوں پر دو کالے نقطے ہوں' وہ شیطان ہے' اسے قتل کر دو۔ ابوداؤد میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب رات کو کتے کی آواز سنو تو ''اعوذ باللّٰه '' پڑھو یعنی شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو۔

قارئین کرام! قادری صاحب مدینے کا بچھو، مدینے کا نیولا، مدینے کا مینڈک، مدینے کا کچھوا، مدینے کا کوا، مدینے کی گدھ، مدینے کا گدھا......غرض جو چاہتے بن جاتے مگر ''کتا'' نہ بنتے، اس لیے کہ کتے کی جس قدر مذمت رسول گرامی ﷺ کے میٹھے فرامین سے ہوتی ہے، مندرجہ بالا جانوروں میں سے کسی کی بھی اتنی مذمت نہیں ہوئی۔

کتے کے بارے میں یوں گفتگو کرنا ماڈرن انگریز عیسائیوں کی مشابہت بھی ہے، کیونکہ انگریز گوریاں کتوں کو اپنے ساتھ سلاتی ہیں، انھیں لباس پہناتی ہیں حتیٰ کہ ان کے نام جائداد وقف کر دیتی ہیں۔ کتوں کی یہی آؤ بھگت دیکھ کر کسی دیسی آدمی نے آہ بھر کر کہا:

''کاش! میں کتا ہوتا۔''

مگر ہمارے ہاں تو کتا نجس ہے، اسلام میں کتا پلید ہے، ہمارے پیارے نبی ﷺ کے میٹھے فرامین کے مطابق یہ ناپاک ہے، مگر ہمیں افسوس یہ ہے کہ احمد رضا خاں بریلوی کہ جنھیں بہت بڑا عالم دین سمجھا جاتا ہے، وہ بھی سگ مدینہ کی بات کرتے ہیں اور ''مجموعہ نعت'' میں جمیل قادری صاحب بھی یہی کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ؎

یا رسول اللہ! آکر دیکھ لو
یا مدینے میں بلا کر دیکھ لو
اس جمیل قادری کو بھی حضور
اپنے در کا سگ بنا کر دیکھ لو

(مجموعہ نعت: ۸۴)

جناب جمیل قادری! اللہ کے رسول ﷺ تمھیں کتا کیوں بنائیں گے اور تمھیں کتا بنا کر آپ ﷺ کیا دیکھیں گے۔ آپ ﷺ اپنی زندگی میں ایسا منظر دیکھ چکے ہیں کہ کتے کی وجہ سے گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آئے۔

کاش! مجھے کتے کھا جاتے:

اسی طرح الیاس قادری صاحب ایک اور جگہ اپنی ابھی تک پوری نہ ہونے والی خواہش کا رونا روتے ہوئے کہتے ہیں کہ کاش! میں مدینہ میں جا کر گم ہو جاتا اور مر جاتا تو مدینے کے کتے میرے جسم کو چیرتے پھاڑ دیتے اور مزے سے کھاتے۔ ان کی زبان سے سنیں ؎

کاش! دشت طیبہ میں، میں بھٹک کے مر جاتا
پھر سگان طیبہ کا بن نوالہ تر ہو جاتا

(مغیلان مدینہ: ۱۳۹)

قادری صاحب اپنی اس غلیظ خواہش کا اظہار حسرت سے تو کر رہے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ پھر اس سے انھیں کون سی ولایت مل جانی تھی بلکہ پھر کتوں کے کھانے کے بعد انھوں نے فضلہ بن کے ہی نکلنا تھا جو کہ کسی طرح بھی ان کی فضیلت اور شان نہ ہوتی۔

صحیح مسلم، ترمذی اور ابو داؤد کی حدیث ہے کہ مومنوں کی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا وعدہ کیا لیکن وہ نہ آئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینک دیا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور نہ اس کے پیغام رساں ہی وعدہ خلافی کرتے ہیں۔'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر ادھر دیکھا تو کتے کا ایک بچہ (پلا) چارپائی کے نیچے پایا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''اے عائشہ! یہ بچہ اس جگہ کب آیا؟ انھوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! مجھے کچھ علم نہیں۔''
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور وہ باہر نکال دیا گیا تو اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تم نے مجھ سے (آنے کا) وعدہ کیا تھا اور میں تمھارے انتظار میں بیٹھا تھا۔'' اس پر حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: ''یہ کتا

جو آپ کے گھر میں تھا، اس نے مجھے روک رکھا تھا۔ جس گھر میں کتا اور تصویر ہو ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔“

(صحيح مسلم، كتاب اللباس، باب تحريم صورة الحيوان ......الخ : ٢١٠٤)

تو جناب قادری صاحب! مدینے میں پیدا ہونے والا، مدینے کی شہریت رکھنے والا کتا بھی جو ویسے ہی آ گیا، وہ اس قدر منحوس تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد رک گئی۔ چنانچہ دربار رسول سے کتا بھگا دیا گیا۔ ذرا غور کیجیے! اس اصلی کتے سے یہ سلوک تھا تو نقلی سے کیا سلوک ہوگا......؟

روٹیوں، بوٹیوں، تھالیوں، کتوں اور گدھوں کو سلام:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اور وہ سلام وہی ہے کہ جسے تشہد میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجنے کا حکم ہے۔ یہ الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سکھا دیے۔ اسی طرح درود ابراہیمی بھی سکھا دیا گیا۔ یہ سب مسنون صلوٰۃ وسلام قرآن وحدیث میں بتا دیے گئے۔ یہ بھی بتا دیا گیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئے تو ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا چاہیے، مگر یار لوگوں نے مسنون صلوٰۃ وسلام چھوڑ کر کتنے ہی من گھڑت اور جعلی درود وسلام ایجاد کر لیے۔ احمد رضا خاں بریلوی نے اپنا سلام ایجاد کیا اور اب الیاس قادری صاحب جو کہ بریلوی حضرات کی ایک نئی جماعت ”دعوت اسلامی“ کے سرپرست ہیں' انھوں نے ایک تازہ سلام ایجاد کیا ہے، جو حد درجہ مضحکہ خیز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کی آڑ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کو بڑے مزاحیہ انداز میں بیان کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔ لیکن افسوس! یہ خود جو کچھ مرضی کرتے جائیں، پھر بھی عاشق کے عاشق ہی رہتے ہیں اور دوسرے گستاخ۔ لیجیے اب یہ نام نہاد سلام پڑھتے جایے، تعجب کرتے چلے جایے، مسکراتے چلے جایے اور ساتھ ساتھ ایسی عقل پر روتے اور افسوس کرتے جایے کہ جس کی وجہ سے اسلام کے ساتھ مذاق ہو رہا ہے۔

مغیلان مدینہ نامی کتاب کی آخری نعت ”سلام“ پر مبنی ہے۔ اس کے بعض بند ملاحظہ ہوں ؎

سلام

زائر طیبہ، روضے پر جا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
کوئے محبوب کی بکریوں، ککڑیوں، لکڑیوں، مکڑیوں کو
بلکہ تنکے وہاں کے اٹھا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
تو درختوں کو اور جھاڑیوں کو، ان کی گلیوں کی سب گاڑیوں کو
ہاتھ اپنا ادب سے لگا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا

....

بوتلوں بلکہ ڈھکنوں کو بھی تو، دال گندم کے دانوں کو بھی تو
چوم آنکھوں سے اپنی لگا کر ، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
بھنڈیوں، توریوں کو ، گوبھیوں ، گاجروں ، مولیوں کو
کہنا سیبوں کو اور آڑوؤں کو اور کیلوں کو، زرد آلوؤں کو
اور تربوز سر پر اٹھا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا

....

تو قنادیل کو، قمقموں کو، تار سوئچ اور تو کولروں کو
ٹھنڈا پانی کسی کو پلا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
چیونٹیوں، کھونٹیوں، ٹونٹیوں کو، ہر طرح کی جڑی بوٹیوں کو
بار بار ان پر نظر جما کرٗ تو سلام میرا رو رو کے کہنا

....

چاولوں، روٹیوں، بوٹیوں کو، مرغ انڈوں کو، مچھلیوں کو

سبزیوں کو وہاں کی پکا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
تھالیوں کو پیالوں کو کہنا، تو مرچ مسالوں کو کہنا
چائے کی کیتلی کو اٹھا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا

....

ٹھنڈے پنکھوں اور ہیٹروں کو بلکہ تاروں کو اور میٹروں کو
بتیوں کو وہاں کی جلا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
جس قدر بھی ہیں پانی کے نلکے، پھل تو پھل بلکہ بیج اور چھلکے
ہاتھ ان کی طرف بڑھا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا

....

تو مکانوں کو بھی، کھڑکیوں کو اور دیوار و در اور سیڑھیوں کو
تو عقیدت سے دل میں بٹھا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
رسیوں، قینچیوں، چھریوں، چادروں، سوئی دھاگوں دریوں سے
سینے سے اپنے لگا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا

....

سنگریزوں اور پتھروں کو، اونٹ گھوڑوں، خروں خچروں کو
پرندوں پہ نظریں جما کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
بلیاں جب مدینے کی دیکھے، خوب ادب سے انھیں پیار کر کے
ہاتھ نرمی سے ان پہ پھیر کر، تو سلام میرا رو رو کر کہنا

....

جب سگان مدینہ کو دیکھے جوڑ کر ہاتھ تو ان کے آگے

اشک بار آنکھ ان پر جما کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
کاش! ہوتا میں سگ (کتا) سیدوں کا، بن کے دربان پہرا بھی دیتا
رب نے بھیجا ہے انسان بنا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا

(مغیلان مدینہ:۱۹۳ تا ۱۹۸)

آئینۂ حقیقت میں ایک نظر:

قارئین کرام! اس سلامیہ نعت کی روشنی میں ذرا تصور کیجیے! الیاس قادری کی ''دعوت اسلامی'' کا میلادی کارکن، سر پر سبز پگڑی باندھے طیبہ جا پہنچتا ہے۔ ویسے ایسا بھی ایک واقعہ ہوسکتا ہے کہ یہ وہاں پہنچے اور روضے کے گنبد کا رنگ سبز کی بجائے سرخ ہو جائے یا سفید ہو جائے تو پھر یہ پوری جماعت کہ جس کے لاکھوں کارکنوں کے سروں پر گنبد کے سبز رنگ کی وجہ سے سبز پگڑیاں ہیں، ان کا رنگ بدلنا پڑ جائے گا اور اگر کہیں ہر چھ ماہ بعد وہاں کا رنگ بدلتا رہے تو جناب اس جماعت کا مونوگرام بھی بدلتا رہے گا۔ بہر حال سبز بگڑی باندھے دعوت اسلامی کا کارکن وہاں پہنچتا ہے۔ اب وہ ایک ایک درخت کے پاس جاتا ہے، جھاڑی کے پاس جاتا ہے، سلام کہنا شروع کر دیتا ہے۔

طیبہ کی سڑکوں پر یہ امریکہ کی بنی ہوئی گاڑی فورڈ جا رہی ہے، یہ ادب سے اس پر ہاتھ پھیر رہا ہے اور سلام کہہ رہا ہے۔ یہ جاپان کی ٹویوٹا کرولا کار نظر آ گئی، جو بدھوں نے بنائی اور یہاں طیبہ میں آ گئی۔ اب یہ اس پر بھی ادب سے ہاتھ پھیر کر سلام پڑھے جا رہا ہے۔ طیبہ میں تو لاکھوں کاریں ہیں، بس یہ بے چارہ جاپان کے بدھوں، امریکہ کے عیسائیوں کی بنی کاروں پر سلام پڑھے جا رہا ہے۔

کوکا کولا، پیپسی کولا یہودیوں کی کمپنیاں ہیں اور ساری دنیا میں ان کا پانی فروخت ہوتا ہے، طیبہ میں بھی پیپسی خوب چلتی ہے، اب یہ سبز پگڑی والا پیپسی کی بوتل کو چوم رہا ہے۔ طیبہ کے بازاروں میں مشروب کی جس دکان سے گزرتا ہے، یہ وہاں پڑی بوتلوں کو چومنا

شروع کر دیتا ہے۔ لوگ بوتلیں پی کر ڈھکنے پھینک رہے ہیں بلکہ بوتلیں پھینک رہے ہیں اور یہ انھیں اٹھاتا ہے، چومتا ہے اور ان پر سلام پڑھے جا رہا ہے۔ سبزیوں کی دکانوں کے سامنے سے گزرتا ہے تو گوبھی، گاجر اور مولی کو آنکھوں سے لگا کر سلام پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ سیب کیلا اور آڑو تو طیبہ میں پیدا ہوتا ہی نہیں۔ سیب اور کیلا لبنان سے آ رہا ہے، آڑو شام سے آ رہا ہے، مسمی پاکستان سے جا رہی ہے، اب یہ تربوز سر پر اٹھا لیتا ہے اور ان پھلوں پر سلام پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ غرض اسے تو بازار سے، سڑک سے ہی فرصت نہ ملے گی اور اگر کہیں تھک ہار کر کسی کے گھر چلا جائے گا یا اگر ہوٹل میں قیام ہے تو وہاں چلا جائے گا، تو اب یہ جناب سوئچ، بجلی کی تار اور ٹیوبوں کو چومنا اور سلام کرنا شروع کر دے گا۔ لوگ پریشان ہو جائیں گے کہ یہ کہیں کرنٹ لگنے سے مر نہ جائے۔ وہ اس کو یہاں سے ہٹائیں گے، تو یہ دیواروں، کھڑکیوں اور سیڑھیوں پر سلام پڑھنا شروع کر دے گا۔ وہ یہاں سے ہٹائیں گے تو یہ کمرے میں پڑے قالین کو سینے سے لگانا شروع کر دے گا۔ لوگ اسے سلانے کی کوشش کریں گے تو یہ جناب بستر کی دری اور چادروں کو سینے سے لگا کر سلام شروع کر دے گا۔ لوگ کہیں گے ''بھوکا ہے شاید بھوک سے یہ حال ہو گیا ہے'' وہ اس کے سامنے طرح طرح کے کھانے سجائیں گے، مگر یہ کھانے کی بجائے چاولوں، روٹیوں بوٹیوں پر سلام پڑھنا شروع کر دے گا۔ ہوٹل والے کہیں گے: ''یہ پاگل کہاں سے آ گیا۔'' وہ ہوٹل سے باہر نکال دیں گے۔ باہر اسے گھوڑا نظر آ جائے، گدھا نظر آ جائے، خچر نظر آ جائے تو اس پر سلام پڑھے جا رہا ہے۔ گدھے نے دولتی ماری یعنی ٹانگ دے ماری، زخمی ہو کر گر پڑا۔ اب یہ ہسپتال جا پہنچا، ہوش آیا تو ہسپتال میں تھا۔ وہاں جناب ہسپتال کے بیڈ سے چھلانگ لگا کر نیچے کود گیا اور بیڈ پر سلام پڑھنے لگ گیا۔ ڈاکٹر حیران، نرسیں پریشان ہیں مگر یہ ان پر بھی سلام پڑھنے لگ گیا، یوں یہ ہسپتال سے باہر آ گیا۔

اب یہ پوچھتا پھر رہا ہے کہ ''سید کا گھر بتلاؤ؟''......ایک پاکستانی نے بتلا دیا۔ بس پھر کیا تھا، یہ وہاں گیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔ گھر کا مالک باہر نکلا اور اس کو دیکھ کر حیران ہوا، وہ سمجھا

شاید مانگنے والا ہے۔ اس نے ایک ریال دیا اس نے نہ لیا۔ اب عربی زبان اس میلادی کی سمجھ میں نہ آئے، اردو اس عربی سید کی سمجھ میں نہ آئے۔ گھر کا مالک پریشان ہو گیا تو اس میلادی نے اسے سمجھانے کے لیے بھونکنا شروع کر دیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ تو سید ہے اور میں تیرا دربان ہوں۔ رب نے مجھ پر ظلم کیا ہے جو مجھے انسان بنا دیا ہے، میں تو مدینے کے سید کا کتا بننا چاہتا ہوں۔ گھر والا اتنا پریشان ہوا کہ اس نے شرطہ یعنی پولیس والوں کو بلا لیا۔ پولیس والوں نے آ کر اس کو قابو کر لیا۔ اب وہ تھانے لے جا رہے تھے کہ راستے میں گندگی کے ایک ڈھیر پر پھلوں کے متعفن چھلکے پڑے تھے۔ یہ دوڑا اور ان پر سلام پڑھنے لگا...... پولیس والوں نے یہاں سے ہٹایا اور تھانے کی طرف چل دیے۔ جب تھانے کے قریب پہنچے تو وہاں ایک جگہ چند کتے کھڑے تھے، سگ مدینہ پھر دوڑا اور اپنے ہم جنسوں کے پاس جا کھڑا ہوا اور ''مغیلان مدینہ'' میں الیاس قادری صاحب کی ہدایت کے مطابق سگان مدینہ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا...... اور اشک بار آنکھوں سے سلام کہنے لگ گیا! یہ منظر دیکھ کر ایک سپاہی کہنے لگا: ''کیا یہ ہندو ہے؟ جو کتوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر ''پرنام'' کر رہا ہے، کیونکہ یہ عادت تو ہندوؤں ہی کی ہے۔'' بہرحال پولیس والے حیران ہو رہے تھے، آخرکار انھوں نے اس عجوبے کا سراغ لگایا تو پتا چلا کہ یہ سبز پگڑی والا قادری صاحب کی کتاب ''مغیلان مدینہ'' میں لکھا ہوا الیاس قادری صاحب کا سلام پڑھ رہا ہے۔ انھوں نے اسے پکڑا، جہاز پر بٹھایا اور گورنمنٹ آف پاکستان سے کہا: ''براہِ کرم ایسے ''سگوں'' کو ہمارے ہاں نہ بھیجو، پاکستان میں ہی رکھو۔''

کیا ہم نعت کے خلاف ہیں؟:

ہمیں معلوم ہے کہ ہماری اس تفصیلی گفتگو کو پڑھ کر یار لوگ کہیں گے کہ ''ان کی کیا بات ہے، یہ تو نعت شریف کے منکر ہیں'' حالانکہ ہم اسے نعت ہی نہیں سمجھتے جس میں حضرت محمد ﷺ کو (بزعم خود) ''رب'' بنا دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کے اختیارات سونپ دیے گئے

ہوں۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ملا دیا جائے تو یہ اللہ کے رسول ﷺ کی نعت ہے یا اللہ کے رسول ﷺ پر بہتان ہے؟ نعت تو یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے اوصاف بیان کیے جائیں۔کس طرح آپ ﷺ نے تکالیف اٹھا کر اللہ کا دین لوگوں تک پہنچایا۔کس قدر اعلیٰ اخلاق پیش کیا۔قتل و غارت گری میں کفر وشرک کے تعفن میں ڈوبے ہوئے معاشرے کو کس طرح توحید وسنت کی پر بہار فضا میں لا کر کھڑا کر دیا۔آپ ﷺ نے کس طرح دلیری سے معرکے لڑے، جہاد کیا، قتال کیا۔ یہ جو آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق کریمانہ ہیں ان کا کوئی نام نہیں لیتا اور اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کیا جا رہا ہے۔الیاس قادری صاحب کو طیبہ میں مقام خندق پر سلام پڑھنا یاد آتا ہے نہ احد پہاڑ پر کہ جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے پیٹ پر پتھر باندھے اور آپ ﷺ کا دانت مبارک شہید ہوا۔ یاد آتا ہے تو بس پیالہ، پلیٹ اور تھالی پر سلام پڑھنا یاد آتا ہے۔غرض پیٹ کے بارے سوچنے والوں کو اونچی سوچ کیسے آسکتی ہے۔ جہاد اسلام کی چوٹی ہے، اس بلندی کے بارے میں وہی سوچ سکتا ہے جسے اپنے پیٹ سے زیادہ دین اسلام کی فکر ہو۔

اللہ کے بندو! نعتوں کا منکر کون ہے؟ جب کفار نے اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے نعت پڑھی ۔ آج جو شیطان رشدی ...... اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف بکواس کر رہا ہے، مزہ تو تب ہے کہ اس کا مدلل جواب انگریزی نعتوں میں دو۔ اللہ کے رسول ﷺ پر اور ہماری روحانی ماؤں پر اس نے جو چھینٹے اڑائے ہیں ان چھینٹوں کو مدلل نعتیں کہہ کر کافور کر دو ۔مگر تمھیں آج ایک ہی نعت آتی ہے کہ عیسائیوں کی طرح اللہ کے رسول ﷺ کا مقابلہ اللہ تعالیٰ سے شروع کر دو، شرک کی نجاست میں غوطے لگانا شروع کر دو۔حالانکہ یہی وہ انداز ہے جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع کرتے ہوئے فرمایا:

> ''لوگو! میری شان کو اس طرح حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کی شان کو بڑھا دیا۔ میں تو ایک بندہ ہوں، لہٰذا مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔''

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ "واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا" : ٣٤٤٥)

کیا اس طرح کی نعتوں سے سلمان رشدی اور دوسرے غیر مسلم فرقوں کے افکار کا توڑ ہو سکتا ہے؟...... انہی کی حرکتیں اور نقالی کر کے آپ کس طرح انھیں اسلام کے بارے میں قائل کر سکتے ہیں۔ اپنے اپنے نبی کے بارے میں یہ طرز، یہ طریقہ اور یہ غلو اللہ تعالیٰ اس سے بچائے کہ جو صریحاً شرک ہے۔

میرے بھائیو! جب آپ غیر مسلموں کو اس طریقہ پر اسلام کی دعوت دیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس تو پہلے ہی یہ چیز موجود ہے بلکہ تم سے بڑھ کر ہے۔

نعت، جس سے رسول ﷺ نے منع کر دیا:

اب آپ ایک واقعہ سنیں، اس میں انصار کی چند بچیاں بڑے خلوص سے نعت پڑھتی ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ اسے ناپسند فرماتے ہیں۔

معوذ بن عفرا کی بیٹی ربیع رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

''نبی ﷺ ہمارے ہاں اس وقت تشریف لائے جب میں نکاح کے بعد اپنے شوہر کے ہاں آئی تھی، تو آپ ﷺ میرے بچھونے پر بیٹھے، جیسا کہ تم بیٹھے ہو۔ چنانچہ ہماری لڑکیاں دف بجانے لگیں اور میرے باپ دادا (انصاری مجاہدین) کی خوبیاں بیان کرنے لگیں، جو غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ اس دوران اچانک ان میں سے ایک لڑکی نے کہا:

((وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ))

''ہم میں ایسا نبی موجود ہے جو کل کی باتوں کو جانتا ہے۔''

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((دَعِيْ هٰذِهِ وَ قُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ))

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح و الولیمة : ٥١٤٧)

''(اے بچی!) اسے رہنے دے اور اسی طرح کہہ جس طرح پہلے کہہ رہی تھی۔''

غور فرمائیں! غزوۂ بدر سے متعلق جہادی اشعار پڑھے جا رہے ہیں۔ ایک بچی نے محض اللہ کے رسول ﷺ کی پیش گوئیوں کو مد نظر رکھ کر ایک بات کہی لیکن اللہ کے نبی ﷺ نے اس سے بھی فوراً منع کیا کہ وہ پیشگوئیاں تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے بتاتے ہیں جبکہ مستقبل کی خبریں تو وہ نہیں جانتے، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملایا جا رہا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فوراً ٹوک دیا اور ایسی نعت چھوڑنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ وہی جہادی باتیں، بدر کی یادیں، شعروں کی صورت میں جاری رکھو کہ یہی رسول ﷺ کی نعت ہے۔ یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی محبت ایمان کی دلیل ہے، محبت رسول ﷺ کے بغیر تو ایمان ہی غیر معتبر ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ))

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان : ١٥)

''تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ بن جاؤں۔''

یاد رکھیے! محبت یہ نہیں کہ صرف محبت اور عشق کے دعوے ہوں بلکہ محبت کا معیار بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے بتلا دیا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ وضو فرما رہے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وضو کا پانی جسموں پر ملنا شروع کر دیا۔ امام الانبیاء ﷺ نے پوچھا:

''کون سی چیز تمھیں اس پر ابھار رہی ہے؟'' انھوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت۔''

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنُ سَرَّهٗ اَنُ يُّحِبَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اَوُ يُحِبَّهُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ فَلْيَصُدُقُ حَدِيُثَهٗ إِذَا حَدَّثَ وَ لُيوَّدِّ اَمَانَتَهٗ إِذَا اُوُتُمِنَ وَ لُيُحُسِنُ جِوَارَ مَنُ جَاوَرَهٗ))

(شعب الايمان، باب فى تعظيم النبى ﷺ واحلاله و توقيره : ١٥٣٣ ـ هداية الرواة، كتاب الادب، باب الشفقة والرحمة على الخلق : ٤٩٢٠)

''جسے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرے یا اللہ اوراس کا رسول ﷺ اس سے محبت کریں تو وہ جب بھی کوئی بات کرے تو سچی بات کرے،امانت میں خیانت نہ کرے اور ہمسائیوں سے اچھا سلوک کرے۔''

الشیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کوحسن قرار دیا ہے۔

یعنی محبت کا معیار سنت رسول ﷺ پر عمل ہے۔ یہ نہیں کہ عیسائیوں کی طرح رسول ﷺ کی نعتیں کہہ کر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ملا دیا جائے۔ جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ بعض لوگوں نے آپ ﷺ کی تعریف میں مبالغہ آرائی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا اُحِبُّ اَنُ تَرُفَعُوُنِيُ فَوُقَ مَنُزِلَتِيَ الَّتِيُ اَنُزَلَنِيَ اللّٰهُ))

(مسند احمد:٣/٢٤٩)

''مجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ تم مجھے اس مقام سے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے، بڑھاؤ۔''

علامہ ناصرالدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کی سند صحیح ہے اور مسلم کی شرط پر ہے۔''

(سلسلة الاحاديث الصحيحة:١٩٧)

چنانچہ نسائی اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا:

((مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ شِئُتَ))

’’جو اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ چاہیں۔‘‘

اس پر آپ ﷺ نے کہا:

((اَجَعَلْتَنِیْ وَاللّٰہَ عِدْلاً؟ بَلْ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہُ))

’’کیا تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا مدمقابل بنا دیا؟‘‘ بلکہ یوں کہو کہ جس طرح اللہ اکیلا چاہے۔‘‘

(مسند احمد:١/ ٢١٤ ۔ سلسلة الاحاديث الصحيحة : ١٣٩)

اس حدیث کی اکثر روایات میں ((أجَعَلْتَنِیْ مَعَ اللّٰہِ عِدْلاً)) کے الفاظ ہیں اور ایک روایت میں ” نِدًّا “ کا لفظ بھی ہے۔

قارئین کرام! آج عاشقان رسول کا حال یہ ہے کہ شاید ہی کوئی نعت ایسی ہو جس میں اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا مدمقابل نہ بنایا گیا ہو۔ حالانکہ آپ ﷺ نے بار بار ایسے طرز عمل سے روکا ہے کیونکہ یہ طرز عمل عیسائیوں کا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِیَّاکُمْ وَالْغُلُوَّ فِی الدِّیْنِ فَاِنَّمَا اَھْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ الْغُلُوُّ فِی الدِّیْنِ))

(ابن ماجه، كتاب المناسك، باب قدر حصى الرمى : ٣٠٢٩۔ مسند احمد : ٢١٥/١ ۔ قال الالبانى اسناده صحيح و رجاله ثقات رجال الشيخين وقال الحاكم هذا حديث على شروط الشيخين)

’’دین میں مبالغہ آرائی سے بچ جاؤ کیونکہ جو تم سے پہلے تھے (یہود و نصاریٰ) انھیں دین میں مبالغہ آرائی ہی نے ہلاک کر ڈالا۔‘‘

قیامت کا منظر:

مسلمانو! یاد رکھو! آج جو تم اللہ کے رسول ﷺ کی نعتوں میں غلو کر رہے ہو اس سے قیامت کے روز اللہ کے رسول ﷺ بیزاری کا اظہار کر دیں گے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے مشرکانہ اور مبتدعانہ کاموں سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

قیامت کو پیش آنے والا نقشہ پہلے ہی سورۂ مائدہ میں بیان فرما دیا ہے:

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِن كُنتُ قُلْتُهُۥ فَقَدْ عَلِمْتَهُۥ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ الْغُيُوبِ ﴿١١٦﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِي بِهِۦٓ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾

(المائدة:۱۱۶-۱۱۷)

''اور جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا: ''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو؟'' عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے: ''سبحان اللہ! مجھے شایاں نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کچھ حق نہیں۔ اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوتا۔ آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے۔ بے شک غیبوں کے جاننے والے آپ ہی ہیں۔ میں نے انھیں اس کے سوا کچھ نہیں کہا کہ جس کا آپ نے حکم فرمایا تھا، یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے۔ میں اس وقت تک ان کا نگران تھا جب تک کہ میں ان میں موجود تھا لیکن جب آپ نے مجھے واپس بلالیا تو آپ ان پر نگران تھے اور آپ ہی ہر چیز پر شاہد ہیں۔''

اب دیکھیے! اللہ تعالیٰ کے آخری رسول امام الانبیاء ﷺ اپنی امت کو اپنے بارے میں کیا نصیحت فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُوْلُوْا

عَبۡدُ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلُہٗ﴾

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، باب قول اللّٰہ تعالیٰ "واذکر فی الکتٰب مریم اذا نتبذت من اھلھا": ٣٤٤٥)

''میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو جس طرح عیسیٰ ابن مریم کی تعریف میں عیسائیوں نے مبالغہ کیا تھا۔ پس میں اس کا بندہ ہوں لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔''

اور اب جو کوئی اس نصیحت کے باوجود باز نہ آئے، اللہ کے رسول ﷺ کو مختار کل، حاضر ناظر، عالم الغیب کہتا پھرے اور دیگر خدائی صفات آپ ﷺ میں مانتا پھرے، میلاد مناتا پھرے، آپ ﷺ کو اللہ کے نور میں سے نور کہہ کر غلو کرتا پھرے......تو اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق پھر قیامت کے روز جو جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیں گے وہی جواب آپ ﷺ اپنی امت کے ان لوگوں کے بارے میں دیں گے جو ایسے لچھن اختیار کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ فَأَقُوۡلُ کَمَا قَالَ الۡعَبۡدُ الصَّالِحُ ﴾

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ مائدۃ، باب و کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم...... الخ : ٤٦٢٦)

''پس میں محمد ﷺ وہی جواب دوں گا جو اللہ کا صالح اور نیک بندہ (عیسیٰ علیہ السلام) دے گا۔''

باب نمبر۴

مسلمانوں اور عیسائیوں کی میلادی عیدیں!

(کرسمس ڈے اور جشن عید میلاد النبی ﷺ تاریخ کے آئینہ میں)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَتَتَبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَ ذِرَاعًا ذِرَاعًا حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! الْيَهُودُ وَ النَّصَارَى؟ قَالَ فَمَنْ؟))

(صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما قول النبی لتتبعن سنن من کان قبلکم : ۷۳۲۰)

''تم پہلی امتوں کے طریقوں کی پیروی میں ایسے برابر ہو جاؤ گے جیسے بالشت برابر بالشت کے اور ہاتھ برابر ہاتھ کے ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے تھے تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا ہمارے لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کی پیروی کریں گے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اور کن کی؟''

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ متنبہ اور خبردار کر دینے والا فرمان اکثر نگاہوں سے گزرتا ہے اور جسم پر ایک جھرجھری اور کپکپی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ کیا مسلمان قوم یہودیوں کے

دوش بدوش چلے گی؟ جو کہ اللہ کی مغضوب قوم ہے اور کیا عیسائیوں کے قدم بقدم چلے گی؟ جو کہ گمراہ (الضالین) قوم ہے۔ مگر فرمان رسول ﷺ بھی تو برحق ہے۔ چنانچہ اس بار ۲۵ دسمبر کو میں لاہور کے دو بڑے گرجا گھروں میں جا پہنچا، یہ معلوم کرنے کے لیے کہ عیسائی کیا کرتے ہیں؟ تا کہ اپنے مسلمانوں کی خبر لی جائے کہ وہ ان کی نقالی اور ان کے لچھن اختیار کرنے میں کہاں تک پہنچ پائے ہیں، اس مشاہدہ کے بعد پھر اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق دعوت واصلاح کا کام کیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ دین کی ابتدا اجنبیت کے ماحول میں ہوئی اور عنقریب یہ اپنی ابتدائی حالت میں ہی لوٹ آئے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ))

(صحيح مسلم، كتاب الايمان ، باب بيان ان الاسلام بدأ غريبا...... الخ:١٤٥)

''اسلام کا آغاز اجنبیت میں ہوا اور عنقریب یہ اسی حالت میں لوٹ آئے گا جس حالت میں اس کا آغاز ہوا، چنانچہ ایسے اجنبیوں کے لیے خوشخبری ہے۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((قِيلَ مَنِ الْغُرَبَاءُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ إِذَا فَسَدَ النَّاسُ))

(مجمع الزوائد: ٢٧٨/٧ - المعجم الكبير للطبراني: ٥٨٦٧ علامه هيثمی نے اس روايت كو صحيح قرار ديا هے۔)

''کہا گیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اجنبی کون لوگ ہیں؟'' آپ ﷺ نے جواب دیا: ''وہ لوگ جو اس وقت اصلاح کرتے ہیں جب لوگوں میں فساد پھیل جائے۔''

۲۵ دسمبر جیسا کہ سب کو معلوم ہے، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہے۔ چنانچہ اس روز پوری دنیا کے عیسائی اپنے نبی علیہ السلام کا میلاد مناتے ہیں۔ یہ روز ان کے ہاں عید کا دن

ہے۔ وہ اسے بڑا دن بھی کہتے ہیں۔ اس دن وہ اپنے گھروں، بازاروں اور گرجا گھروں کو خوب سجاتے ہیں اور اپنی عبادت گاہوں میں عبادت بجالاتے ہیں۔

جب میں چرچ میں پہنچا تو.......:

۲۵ دسمبر کو میں لاہور کے کیتھڈرل گرجا گھر میں گیا' عورتوں مردوں اور بچوں کا ایک جم غفیر تھا، جو گرجا گھر میں داخل ہونے کو بے تاب تھا۔ آخر پر میں بھی اندر جا داخل ہوا۔

منتظمین میں سے ایک نے مجھے دیکھ کر کہا: ''آپ مسلمان لگتے ہیں۔''

میں نے کہا: ''بالکل مسلمان ہوں۔'' ''تو پھر یہاں کیوں؟'' اس نے فوراً سوال کر دیا۔ میں نے کہا: ''بس آپ کی عبادت دیکھنے آیا ہوں۔''

اور پھر اس نے مجھے آگے لے جا کر بٹھا دیا۔ اب پادری نے تقریر کرنا شروع کر دی، اس کے بعد وقتاً فوقتاً دعائیں بھی مانگی گئیں، نذرانے اکٹھے کیے گئے، راہبہ لڑکیوں نے لوگوں کو خاص قسم کا تبرک کھلایا جو کہ بتاشے کی طرح کسی درخت کے پتے جیسی باریک کوئی میٹھی چیز تھی، جسے وہ لڑکی تبرک لینے والے کے منہ میں ایک چمٹی کے ساتھ رکھ دیتی تھی۔ پادری جو کہ سنہرا گاؤن پہنے ہوئے تھا، خوشی سے موم بتیاں روشن کرتا اور پھر دعا مانگتا۔ کبھی وہ کہتا: ''خدا یسوع کے روپ میں زمین پر آیا'' اور کبھی کہتا: ''اس نے اپنے بندوں سے، محبت کرنے کے لیے اپنے بیٹے یسوع کو بھیجا، تا کہ وہ سولی پر چڑھ کر تمام لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دے اور یہ کہ یسوع کی پیدائش پر خدا نے خوشیاں منائیں تو ہم بھی خوشیاں مناتے ہیں۔''

پھر دعا میں یہ الفاظ بار بار کہتا: ''اے خدا! یسوع کے واسطے سے ہماری دعاؤں کو قبول کر۔''

گرجے کو سنہری اور رنگ برنگی جھنڈیوں سے خوب سجایا گیا تھا، ڈھول کی تھاپ پر دو تین عیسائی اپنے نبی کے میلاد کی خوشی میں نعتیں پڑھنے میں مصروف تھے۔ ایک دوسرے پادری نے بھی پنجابی میں چند گیت پڑھے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کے بارے میں تھے۔

چرنی کیا ہے؟:

عاشقان عیسیٰ (علیہ السلام) یعنی میلادی عیسائیوں کے ہاں میلاد النبی کے جشن میں ''چرنی'' بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام جو کہ حضرت داوٗد علیہ السلام کی نسل سے تھیں، ان کی منگنی ایک نوجوان یوسف سے ہوگئی۔ منگنی کے دوران ہی حضرت مریم علیہا السلام حاملہ ہوگئیں، پھر ان کا منگیتر یوسف حضرت مریم علیہا السلام کو لے کر گلیل کے شہر ناصرت سے بیت اللحم کو چل دیا۔ وہاں دوسرے لوگ بھی جارہے تھے، کیونکہ مردم شماری کے لیے وہاں سب کو پہنچنے کا حکم تھا۔ چنانچہ یہ شہر کے ساتھ ایک سرائے میں ٹھہرے، وہاں اور لوگ بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ رات کو کنواری مریم علیہا السلام کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ بچے کو لٹانے کے لیے کوئی جگہ نہ ملی تو اسے جانوروں کے چارے کی جگہ لٹا دیا گیا۔ پنجابی میں جسے ''کھرلی'' کہتے ہیں اس میں بچے کو لٹا دیا گیا۔ چارے والی اس کھرلی کو ''چرنی'' کہا جاتا ہے۔

اب میلاد کے موقع پر یہ چرنی بنائی جاتی ہے، اس میں ایک بچے کا بت رکھ دیا جاتا ہے، پاس خوبصورت کھلونے رکھ دیے جاتے ہیں۔ یوں چرنی بنانا میلاد رسول کا اہم اور بنیادی جزو ہے۔

چنانچہ عید میلاد کی عبادت جب اپنے اختتام کو پہنچی تو اعلان کیا گیا کہ ''چرنی'' اس طرف ہے، اس کی زیارت کر کے جائیں۔ چرنی کیا ہے؟ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا' یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ یہاں چرنی کی نقل بنائی گئی تھی۔ ایک بچے کا پتھری مجسمہ بنایا گیا تھا۔ سامنے شیشہ تھا، اس کے آگے پیتل کی باڑ لگا دی گئی تھی، یہ چرنی تھی اور اس کے اوپر ایک عورت کا مجسمہ تھا، جو ہاتھ میں کچھ لیے کھڑی تھی، عیسائی یہاں سجدہ ریز تھے۔ دروازے سے نکلتے وقت بھی ایک خوبصورت چرنی بنائی گئی تھی۔ اس میں پہاڑیاں دکھائی گئی تھیں۔ انسانوں، جانوروں اور پتھروں کے بت تھے۔ یہاں بھی لوگ نذرانے دے رہے تھے اور عقیدت کے پھول نچھاور کر کے آگے بڑھ رہے تھے۔

عید میلاد کی رسومات پادریوں کی نظر میں:

آیئے! اب ملاحظہ فرمائیں لاہور کے عیسائی پادریوں کی باتیں۔ روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والی تفصیلات کے مطابق...... لاہور میں پروٹسٹنٹ فرقے کے بشپ الیگزینڈر جان ملک سے جب میلاد کے بارے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا:

''کرسمس کا تہوار حضرت یسوع مسیح کے یوم پیدائش کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اس روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے اور دنیا کے لیے نجات اور گناہ پر فتح کا نشان بن کر گئے۔''

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کیا کہ بشپ صاحب میلاد کے حوالے سے ایک زبان زد عام روایت کا ذکر روایتی انداز میں تو کرتے ہیں مگر کوئی دلیل نہیں دیتے۔ تو اچھا اب آگے چلیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے میلاد کے موقع پر کرسمس فادر کے کردار کو بڑا اہم مقام حاصل ہے۔ یہ کیوں ہے اور کیسے شروع ہوا؟ یہ آپ کیتھڈرل سکول لاہور کے پرنسپل اور پادری ایس کے داس کی زبان سے سنیے۔

کرسمس فادر کی روایت نے کیسے جنم لیا؟

''کرسمس فادر کو 'سینٹا کلاز' کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ یہ روایت لندن سے شروع ہوئی، ایک عمر رسیدہ شخص لندن میں کرسمس کی رات مختلف جگہوں اور گھروں میں جاتا اور بچوں کے لیے کرسمس کے تحائف چھوڑ آتا، جو بچوں کے لیے بڑی مسرت اور خوشی کا باعث بنتے۔ بچوں اور بڑوں کی ایک مدت سے یہ خواہش اور آرزو تھی کہ وہ اس شخصیت کے بارے میں معلوم کریں۔ چنانچہ ایک کرسمس کی رات انھوں نے تہیہ کیا کہ وہ اس شخصیت کے بارے میں ضرور پتا چلائیں گے۔ اس مقصد کے لیے وہ کرسمس کی رات جاگتے رہے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا راہب ان کے گھروں میں بچوں کے تحائف رکھ رہا تھا۔ انھوں نے اس سے مل کر خوشی کا اظہار کیا۔ اس طرح کرسمس فادر کی روایت نے جنم لیا۔

عیسائیوں کے میلاد النبی میں سینٹا کلاز یا کرسمس فادر کی روایت نے کیسے جنم لیا؟ یہ تو آپ نے ملاحظہ کرلیا، اب کرسمس ٹری (میلادی درخت) کے بارے میں بھی ایس کے داس ہی سے سنیے۔

''کرسمس ٹری'' کی بدعت کب اور کیسے شروع ہوئی؟:

''ایک روایت کے مطابق جرمنی میں ۱۹ ویں صدی میں مارٹن لوتھر کرسمس کی شام ۲۴ دسمبر کو اپنے بچوں کے ساتھ قریبی جنگل میں دعا کرنے کی غرض سے گئے۔ جب وہ درختوں کے درمیان چل پھر رہے تھے تو انھوں نے اچانک اوپر نگاہ اٹھائی تو اجرام فلکی کو چمکتے دیکھا۔ یہ نظارہ ان کے من کو بھا گیا۔ انھیں یسوع مسیح کی پیدائش پر ستارے کے ظہور پذیر ہونے کا وقت یاد آ گیا۔ وہ اس نظارے سے بے حد متاثر ہوئے کہ جنگل میں سے ایک برف آلود شاخ گھر لے آئے۔ اسے مزین کیا، دوستوں کو مدعو کیا۔ سبھی اس نظارے سے لطف اندوز ہوئے اور اسے کرسمس روایت سے تعبیر کیا اور یوں کرسمس ٹری (میلادی درخت) کی روایت کا آغاز ہوا۔''

قارئین کرام! عیسائیوں کی اس میلادی روایت پر، جو اب ان کا مذہب بن چکا ہے، غور فرمایے! یہ بالکل ایسے ہی لگتا ہے جیسے کسی بچے کے دل کو کوئی شے بھا جائے، پھر وہ اپنے ساتھی بچوں کو اکٹھا کرلے اور پھر اس موقع پر وہ کچھ معصوم سی حرکتیں کرے۔ یہ روایت بھی کچھ ایسے ہی محسوس ہوتی ہے...... اچھا...... خیر...... یہ روایتیں تو بنتی رہیں مگر یہ میلاد شروع کب ہوا؟ تو آیئے یہ پروفیسر وکٹوریہ پیٹرک سے معلوم کرتے ہیں، وہ بتاتے ہیں:

''کرسمس کے موقع پر کیرل یعنی خوشی اور شادمانی سے بھرپور حمد و ثنا کرتے ہیں۔ تاریخی حوالوں سے پتا چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صعود فرمانے (آسمان کی طرف اٹھائے جانے) کے تقریباً ایک سو برس بعد پاپائے روم نے یہ خواہش ظاہر کی کہ مسیحی لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں گیت گانے چاہییں۔

سب سے پہلے سینٹ فرانسیسی نے یہ گیت لکھے اور گائے۔ اب ہر شخص اپنی علاقائی زبان میں کیرل گا کے خدا کی حمد وثنا کرنے لگا ہے۔“

جشن عید میلا دالنبی ﷺ

پہلی بات تو یہ ہے کہ انجیل اگر درست حالت میں موجود بھی ہو تب بھی وہ قرآن آجانے کے بعد منسوخ ہے۔ مگر یہاں تو صورت حال یہ ہے کہ عیسائی خود چار انجیلوں کو مانتے ہیں، جب کہ نازل ایک ہوئی تھی۔ پھر وہ انجیل جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی، اس کی جو زبان تھی، آج وہ زبان ہی ختم ہو چکی ہے۔ پھر ان چاروں میں سے ہر ایڈیشن پہلے سے مختلف ہے، تو یوں عیسائیوں کی انجیل ہی خود ساختہ ہے، باقی رسومات کا کیا کہنا!! مگر افسوس تو یہ ہے کہ عاشقان رسول عیسائیوں کی نقل میں عید میلا د منا رہے ہیں' حالانکہ ان کے پاس قرآن و حدیث کی شکل میں دین محفوظ ہے۔ اس کی زیر زبر تک محفوظ ہے۔ اس دین میں عید میلا د کا کہیں وجود نہیں۔ نہ یہ دن اللہ کے رسول ﷺ نے خود منایا، نہ اسے منانے کا حکم دیا اور نہ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما جیسے محبان رسول ﷺ نے منایا۔ محدثین نے ”کتاب العیدین“ کے نام سے حدیث کی کتابوں میں ابواب باندھے، مگر تیسری عید کی نماز کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ نظر کیسے آئے کہ اس تیسری عید کا طریقہ تو وہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام نہاد پیروکاروں کا ہے کہ بازاروں میں جلوس نکالا جاتا ہے، اس میں بگھیاں، ڈولیاں، بیل گاڑیاں اور ٹرالیاں چلائی جاتی ہیں، یارسول اللہ کے نعرے لگائے جاتے ہیں، نعتیں پڑھی جاتی ہیں، گتکا کھیلا جاتا ہے، گھوڑے نچائے جاتے ہیں، نوجوان ڈانس کرتے ہیں، ڈھول اور طبلے بجتے ہیں، چمٹے کھڑکتے ہیں، انڈین اور انگلش میوزک کی تانیں بجائی جاتی ہیں۔

وفات کے دن جشن............!!

پہلے دو اصلی عیدوں کے عید کارڈ چھپتے تھے، عیسائیوں کی نقل میں اب اس تیسری مصنوعی

عید کے کارڈ بھی چھپنے لگے ہیں۔عیسائیوں کی ''چرنی'' کی نقل اس طرح اتاری گئی ہے کہ میلاد کی رات کو بازاروں میں پہاڑیاں بنائی جاتی ہیں، وہاں بچوں کے مجسمے اور کھلونے رکھے جاتے ہیں۔یوں ''چرنی'' کی نقل میں ملک بھر کے بازار پہاڑیوں سے سج جاتے ہیں۔وہاں گانوں' قوالیوں اور نعتوں کو سنایا جاتا ہے۔یوں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ ہم ہر لحاظ سے آگے ہیں۔وہ تو صرف ''ایسٹر'' کا جلوس نکالتے ہیں جبکہ ''عید نزول روح القدس'' اپنے گرجوں میں مناتے ہیں، مگر مسلمان عاشقان رسول چہار شنبہ کا دن بھی سڑکوں پر مناتے ہیں، میلاد بھی بازاروں میں مناتے ہیں اور وفات منانے کا تو عجب ڈھنگ ہے۔

ویسے میلاد اور وفات کے دنوں کا معاملہ بھی ان کے لیے عجب شکل اختیار کر گیا ہے کہ وفات کے دن پر تو سب متفق ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ۱۲ ربیع الاول کو فوت ہوئے تھے، مگر پیدائش کے بارے میں مورخین نے مختلف تاریخیں رقم کی ہیں۔

قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت کی کتاب ''رحمت للعالمین ﷺ'' میں اور مولانا شبلی نعمانی نے اپنی کتاب ''سیرت النبی ﷺ'' میں تحقیق کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی پیدائش ۹ ربیع الاول کو ہوئی۔اب لوگ میلاد ۱۲ کو منا رہے ہیں، تو وفات کا بھی یہی دن ہے، لہٰذا وہ خوشی میں غمی کی بھنگ ڈالنے سے تو رہے۔چنانچہ انھوں نے وفات منانے کا ڈھنگ اس طرح نکالا کہ کھاریاں کے قریب ''موہری شریف'' میں نواب دین کی قبر پر اس کے بیٹے خواجہ معصوم نے اللہ کے رسول ﷺ کا عرس منانا شروع کر دیا۔(نعوذ باللہ من ذلك) پھر اس نے پورے ملک میں اپنے خلیفے پھیلا دیے جو اللہ کے رسول ﷺ کے عرس کا اہتمام کر رہے ہیں۔گوجرانوالہ میں خواجہ منیر حسین نے اپنے باپ خواجہ کرامت حسین کی قبر پر اللہ کے رسول ﷺ کا عرس منانا شروع کر دیا۔قبریں کسی اور کی اور عرس اللہ کے رسول ﷺ کا!!! مزید نہلے پہ دہلا یہ ہے کہ ان عرسوں کے انعقاد کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول نہیں بلکہ اپنی اپنی مقرر کی ہوئی مختلف تاریخیں ہیں۔اس طرح عاشقان رسول نے کچھ عرصہ سے چہار شنبہ کا

جلوس بھی نکالنا شروع کر دیا ہے کہ اس روز اللہ کے رسول ﷺ نے غسل صحت فرمایا۔ لیکن حقیقتاً غسل فرمایا تھا یا نہیں، اس سے انھیں کوئی غرض نہیں، انھیں تو جلوس نکالنا ہے، پہلی امتوں سے آگے بڑھنا ہے۔ غرض ''بدنام جو ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا'' کے مصداق نام مشہور ہونا چاہیے خواہ بدنام ہو کر ہو۔ حلوہ اور کھیر ملنی چاہیے، خواہ عیسائیوں کی نقل میں ملے یا ان سے بھی چار قدم آگے بڑھ کر ملے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے یہ بھی بعید نہیں کہ کل کلاں کرسمس بھی منانا شروع کر دیں، جب کا واں والی سرکار، کتیاں والی سرکار، بلیاں والی سرکار اور گھوڑے شاہ والی سرکار کا عرس منایا جا سکتا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے سچے پیغمبر اور پانچ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک ہیں، جو مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرے یا گستاخی کرے وہ کافر ہو جاتا ہے، تو ان کا عرس کیوں نہیں منایا جا سکتا؟ ان کا میلاد کیوں نہیں منایا جا سکتا؟...... بس اگر ڈر ہے تو یہی کہ عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد منانے پر ہمیں کوئی عیسائی نہ کہہ دے، وگرنہ امتیاز کوئی نہیں رہا۔

جشن میلاد النبی ﷺ کب اور کیسے شروع ہوا؟

سب سے پہلے عید میلاد النبی ﷺ کی ایجاد چوتھی صدی ہجری میں فاطمی خلفاء کے ہاتھوں ہوئی، جو کٹر رافضی تھے، جن کی گمراہی میں معمولی سا بھی شک نہیں۔

جیسا کہ علامہ تقی الدین احمد بن علی المقریزی نے اپنی کتاب ''المواعظ والاعتبار (۱/۴۹۰)'' اور علامہ قلقشندی نے اپنی کتاب ''صبح الأعشیٰ فی صناعة الانشاء (۳/ ۴۹۸، ۴۹۹)'' اور علامہ محمد بخیت مصری حنفی نے اپنی کتاب ''احسن الکلام (ص۴۴، ۴۵)'' میں یہی بات تحریر کی ہے۔ اسی طرح ''الابداع فی مضار الابتداع (۱۶۔۲۱)'' اور ''محاضرات الفکریہ (۸۴)'' میں بھی یہی تحریر ہے۔ ان کے بعد ایک خلیفہ آیا جس کا نام، افضل بن امیر الجیوش تھا اس نے یہ میلاد وغیرہ بند کرا دیے پھر عیسائیوں کی دیکھا دیکھی عراق کے بادشاہ اربل نے ۶۰۴ھ میں میلاد النبی منانا شروع کیا۔ پھر یہ بڑھتے بڑھتے اب باقاعدہ تیسری عید کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اب تو

اہل بدعت نے دو قدم آگے بڑھ کر اس بدعی اور مصنوعی عید کو ''عیدوں کی عید'' یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی مقرر کردہ دونوں عیدوں کی بھی سردار عید قرار دے دیا ہے۔ اس نو ایجاد عید کا سب سے بڑا جلوس لاہور میں نکلتا ہے اور لاہور سے شروع ہونے والے اس جلوس کے متعلق جناب عنایت قادری گدی نشین تکیہ سادھوواں کوچہ چابک سواراں رنگ محل لاہور...... یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس جلوس کو سب سے پہلے لاہور میں انھوں نے شروع کیا تھا، وگرنہ اس سے پہلے کبھی عید میلاد کا جلوس نہیں نکلا تھا۔ اسی بنا پر لاہور میں عید میلاد کے لیے شائع ہونے والے اشتہارات میں عنایت قادری کا نام خاص طور پر لکھ کر ساتھ ''بانی جلوس عید میلاد النبی'' لکھا جاتا ہے۔

لیکن اس کے علاوہ اور بہت سے لوگ بھی ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ نہیں! عید میلاد کے جلوس کے بانی اور موجد ہم ہیں۔ بہر حال یہ بات تو ہر طرح سے ثابت شدہ ہے کہ عید میلاد کے جلوس کے لیے سب سے پہلے انگریز سے اس کا لائسنس حاصل کیا گیا، پھر سب سے پہلے ۱۹۳۳ء میں لاہور میں پہلا میلادی جلوس نکلا۔

قارئین کرام! ہم آپ کو اس بدعت کی مزید تفصیلات اور حقیقت سے آگاہی کے لیے آج سے ۶۵ برس پیچھے قیام پاکستان سے پہلے کے دور میں لیے چلتے ہیں، تاکہ اس میلاد النبی کے جلوس کی اصل کہانی تاریخ کی زبانی آپ کے سامنے آسکے۔

لیجیے لاہور کی لائبریریوں سے ہوتے ہوئے اب ہم نصف صدی قبل کی اشاعت میں جھانکتے ہیں، جس میں علی الاعلان، واضح اور دوٹوک الفاظ میں معروف صحافی مصطفیٰ کمال پاشا عید میلاد النبی کے متعلق اپنی رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ اس مضمون کی دو سرخیاں اس طرح ہیں:

''لاہور میں میلاد النبی کا جلوس کیسے شروع ہوا؟''

دوسری سرخی اس طرح ہے:

''علمائے کرام نے ایک قرارداد کے ذریعے اس یوم کو عید میلاد النبی ﷺ کا نام دیا''

اس کے بعد مصطفیٰ کمال صاحب اپنی رپورٹ میں کہتے ہیں:

''آزادی سے پیشتر ہندوستان میں حکومت برطانیہ ۲۵ دسمبر یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کو بڑے اہتمام کے ساتھ منانے کا انتظام کرتی اور اس روز کی فوقیت کو دوبالا کرنے کے لیے اس یوم کو ''بڑے دن'' کے نام سے منسوب کیا گیا۔ بڑے دن کا مطلب یہ نہیں تھا کہ دن ۱۲ گھنٹے کی بجائے ۱۶ گھنٹے کا ہوتا ہے بلکہ عوام یعنی نوجوانوں اور بچوں کے ذہنوں میں اس کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے دفتروں، کارخانوں، مدرسوں وغیرہ میں پندرہ روز کی رخصت دی جاتی تا کہ دنیا میں ثابت کیا جائے کہ حضرت مسیح ہی نجات دہندہ تھے۔

حضور پاک ﷺ ۱۲ ربیع الاول کو اس دنیا میں تشریف لائے اور اسی روز آپ نے وفات پائی۔ کچھ لوگ اس مقدس یوم کو بارہ وفات کے نام سے پکارتے ہیں۔ آزادی سے پیشتر اس یوم کے تقدس کے پیش نظر مسلمانان لاہور نے اظہار مسرت وعقیدت کے طور پر جلوس نکالنے کا فیصلہ کیا۔ اس ضمن میں مسلمانان لاہور کا ایک وفد، جس میں خلیفہ شجاع الدین، ملک محمد الدین بیرسٹر، چودھری فتح محمد، محمد فیاض اور میاں فیروز الدین احمد مرحوم شامل تھے، گورنر سے ملا تو (اس کو) مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کیا...... گورنر نے مسلمانوں کو بغیر کسی رکاوٹ کے جلوس نکالنے کی منظوری دے دی ......اسلامی جذبوں سے سرشار بزرگوں نے انجمن معین اسلام کے تحت، جس کے سیکرٹری جناب مفتی حمایت اللہ مرحوم (والد بزرگوار شباب مفتی) نے جلوس نکالنے کا پروگرام مرتب کیا۔ ان دنوں کانگرس اپنے اجتماع موری دروازہ میں منعقد کیا کرتی تھی اور اس کے مقابلہ میں مسلمان اپنے اجتماع موچی دروازہ میں منعقد کرتے تھے۔ لہٰذا موچی دروازہ کو سیاسی مرکز ہونے کے علاوہ سب سے پہلے عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس نکالنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ عملی طور پر جلوس کی قیادت انجمن فرزندان توحید موچی گیٹ کے سپرد ہوئی، جس میں حافظ معراج

دین ، حکیم معین الدین، بابو سراج دین ، شاہ الدین اسلم ، مستری حسین بخش چودھری فتح محمد، ملک محمد الدین بیرسٹر، چودھری کلیم الدین ، مہر سراج دین اور میاں فیروز الدین احمد و مسلم لیگی لیڈر جنھوں نے مسٹر جناح کو قائد اعظم کا لقب دیا اور دیگر نوجوان شامل تھے۔ ''دارالنذیر'' موچی دروازہ میں جلوس کے پروگرام اور انتظام کے متعلق اہم فیصلے کیے جاتے ۔ انجمن کی زیر قیادت جلوس ہر سال مسلسل کامیابی و کامرانی سے نکلتا رہا۔ جلوس کا لائسنس اور اجازت نامہ میاں فیروز الدین احمد کے نام تھا۔ ۱۹۳۴ء میں مسلم لیگ کے علاوہ تحریک خلافت بھی عوام میں مقبول تھی، لہٰذا ۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۵ء میں لائسنس میاں فیروز الدین احمد سیکرٹری خلافت کمیٹی کے نام پر کر دیا گیا۔ بعد کے دیگر لائسنس کے علاوہ ۱۹۴۲ء کے اجازت نامہ میں میاں فیروز الدین کو سیکرٹری مسلم لیگ کے طور پر منظوری ملی۔ جلوس کا آغاز ۱۹۳۴ء، ۱۹۳۵ء میں موچی دروازہ سے شروع ہو کر دیگر علاقہ جات سے ہوتا ہوا رات ایک بجے شاہی مسجد پہنچا۔ بعد میں دوسرا جلوس اندرون شہر اور بھاٹی دروازہ سے گزرنے کے بعد حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر اختتام پذیر ہوا۔

جلوس میں گھوڑوں پر سوار نوجوان ہاتھوں میں نیزے لیے ہوئے گشت کرتے...... سیاسی، دینی اور سماجی کارکنوں کے علاوہ جلوس کے آگے پہلوانوں کی ٹولی بھی شمولیت کرتی ،جس کی رہنمائی رستم زماں گاماں پہلوان اور امام بخش پہلوان وغیرہ کرتے ۔ فنکار پارٹی اور دیگر نوجوانوں کی رہنمائی ماسٹر فیروز مرحوم انسٹرکٹر فزیکل ٹریننگ گورنمنٹ کالج لاہور کے سپرد تھی۔ اراکین خلافت کمیٹی شعبہ والنٹر کور، مجلس احرار، خاکسار، مجلس اتحاد ملت، نیلی پوش اور مسلم لیگی حضرات جوق در جوق شامل ہو کر جلوس کی رونق کو دوبالا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ۔

جلوس کے اختتام پر خلیفہ شجاع الدین (سپیکر اسمبلی) نواب شاہ نواز ممدوٹ، محمد فیاض اور میاں امیر الدین و دیگر معززین لاہور اچھی کارکردگی پر انعامات تقسیم کرتے......

اس سے پیشتر یہ یوم ۱۲ وفات کے نام سے منسوب تھا۔مگر بعد میں انجمن نعمانیہ ٹکسالی گیٹ کے زیر اہتمام پیر جماعت علی شاہ، مولانا محمد بخش مسلم، نور بخش توکل اور دیگر علمائے کرام نے قرارداد کے ذریعہ اسے عید میلاد النبی ﷺ کا نام دیا۔''

(روزنامہ مشرق: ۲۶ جنوری ۱۹۸۴ء)

قارئین! یہ تو تھی روزنامہ مشرق کی رپورٹ، اب مشہور ناول نگار نسیم حجازی کے اخبار ''روزنامہ کوہستان'' کی رپورٹ بھی ملاحظہ کریں۔

اس کی دو سرخیاں کچھ اس طرح ہیں:

''لاہور میں عید میلاالنبی کب شروع ہوئی؟''

دوسری سرخی:

''پہلا جلوس ۱۹۳۳ء میں انجمن فرزندان توحید نے ترتیب دیا''

اس کے بعد اس کی تفصیل اس طرح بتاتے ہیں:

''لاہور میں عید میلاد النبی ﷺ کا جلوس سب سے پہلے ۵ جولائی ۱۹۳۳ء بمطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۲ء کو نکلا، اس کے لیے انگریزی حکومت سے باقاعدہ لائسنس حاصل کیا گیا تھا۔ اس کا اہتمام انجمن فرزندان توحید موچی دروازہ نے کیا۔ اس انجمن کا مقصد ہی اس جلوس کا اہتمام کرنا تھا۔

انجمن کی ابتدا ایک خوبصورت جذبے سے ہوئی، موچی دروازہ لاہور کے ایک پرجوش نوجوان حافظ معراج الدین اکثر دیکھا کرتے تھے کہ ہندو اور سکھ اپنے دھرم کے بڑے آدمیوں کی یاد بڑے شاندار طریقے سے مناتے ہیں اور ان دنوں میں ایسے لمبے لمبے جلوس نکلتے ہیں کہ کئی بازار ان کی وجہ سے بند ہوجاتے ہیں۔ حافظ معراج الدین کے دل میں یہ خیال آیا کہ دنیا کے لیے رحمت بن کر آنے والے نبی ﷺ کی یاد میں اس سے بھی زیادہ شاندار جلوس نکلنا چاہیے، انھوں نے اپنے محلے کے بزرگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان میں

مستری حسین بخش رنگ ساز، شیخ قمر الدین وکیل مرحوم مستری خدا بخش مرحوم اور دیگر کئی بزرگ شامل تھے۔ آخر ایک انجمن قائم ہوگئی جس کا مقصد عید میلاد النبی کے موقع پر جلوس مرتب کرنا تھا۔ اس میں مندرجہ ذیل عہدہ دار تھے۔

ا۔ صدر مستری حسین بخش ۲۔ نائب صدر مہر معراج دین ۳۔ سیکرٹری حافظ معراج الدین ۴۔ پروپیگنڈا سیکرٹری میاں خیر دین بٹ (بابا خیرا) ۵۔ خزانچی حکیم غلام ربانی۔

اشتہارات کے ذریعے جلوس نکالنے کے ارادہ کو مشتہر کیا گیا، چست اور چاق و چوبند نوجوانوں کی ایک رضا کار جماعت بنائی گئی اور جگہ جگہ نعتیں پڑھنے کا انتظام کیا گیا۔ ابوالاثر حفیظ جالندھری کے سلام کی مشق خاص طور پر بہم پہنچائی گئی۔ اس جماعت میں حسب ذیل نوجوان شامل تھے:

ا۔ سالار فیروز الدین (فزیکل انسٹرکٹر گورنمنٹ کالج) ۲۔ نائب سالار محمد عادل خان (پشاور یونیورسٹی) ان کے علاوہ حکیم محمد عاقل خان حافظ محمد اشرف مستری ولایت حسین، محمد زبیر اور بابا شاکی نے بڑے جوش سے حصہ لیا۔ موچی دروازہ کے دوسرے نوجوان بھی ان کے شانہ بشانہ تھے۔

جلوس کے لیے درخواست دی گئی تو ہندوؤں کی طرف سے اس کی شدید مخالفت کی گئی۔ لیکن ملک محمد امین مرحوم کی کوششوں سے اجازت مل گئی اور انجمن لائسنس حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

یہ جلوس ۱۹۴۰ء تک باقاعدہ نکلتا رہا۔ اس سال حکومت اور خاکساروں میں تصادم ہو گیا اور جلوس بطور احتجاج بند کر دیا گیا۔ ہندو اس جلوس کی روح رواں حافظ معراج الدین کے خلاف اکثر سازشیں کرتے رہتے تھے لیکن ان کا کوئی وار کارگر نہیں ہوتا تھا۔ اتفاق سے ایک دفعہ رنگ محل میں دو پارٹیوں کا تصادم ہو گیا، جس میں ایک نوجوان جس کا نام فیروز تھا، قتل ہو گیا۔ ہندوؤں کی سازش نے اس قتل

میں حافظ معراج الدین کو بھی ملوث کر لیا، لیکن ہندو کی یہ چال بھی کارگر نہ ہوئی۔
حافظ معراج الدین کی عدم موجودگی میں معراج الدین، ملک لال دین قیصر اور فیروز دین احمد نے جلوس کا اہتمام کیا اور جلوس اسی شان سے نکلا۔
قیام پاکستان کے بعد حافظ صاحب سردار عبدالرب نشتر گورنر پنجاب سے ملے اور انھیں اس بات پر رضامند کر لیا کہ جلوس حکومت کے اہتمام میں نکلے۔ چنانچہ اس سال سرکاری اہتمام میں انتہائی تزک و احتشام کے ساتھ جلوس نکالا۔ شاہی قلعہ لاہور میں فوج کی پریڈ ہوئی اور سلامی دی گئی۔
اس زمانے میں جلوس کی ترتیب اس طرح کی جاتی کہ اس مہینے کا چاند دیکھنے کے بعد شہر کے ہر دروازے پر مندرجہ ذیل لوگ گولوں سے سلامی دیتے اور چاند کا استقبال کرتے۔
موچی دروازہ کے باہر ڈپٹی سعادت علی خان مرحوم، لوہاری کے باہر انجمن خادم المسلمین، موری دروازے کے باہر میاں عبدالرشید دفتری، بھاٹی کے باہر استاد گام، چودھری برکت علی اور فلمسٹار ایم اسماعیل، ٹکسالی کے باہر الطاف حسین اور عاشق حسین، مستی کے باہر حکیم نیّر واسطی یوسف اور پہلوان، کشمیری کے باہر چچا ابل اور ان کے احباب، شیرانوالہ کے باہر بابو ممتاز، یکی (دروازہ) کے باہر امداد علی عرف دادو مرحوم اور سرکی بند حضرات اکبری منڈی کے باہر، عبدالستار دلی (دروازہ کے باہر)۔'' (روز نامہ کوہستان ۲۲ جولائی ۱۹۶۴ء)

قارئین کرام! مندرجہ بالا تحریر پر غور کیجیے، وہی صورتحال سامنے آرہی ہے جیسا کہ عیسائیوں میں پوپ نے عیسیٰ علیہ السلام کے جنم دن کی خوشی میں محفل میلاد کا اضافہ کیا اور پھر پادری اضافے کرتے چلے گئے، اسی طرح فاطمی خلفاء نے بنیاد رکھی اور پھر مولوی اور صوفی اس بدعت میں اپنا اپنا حصہ ڈال کر متواتر اضافہ کرتے رہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔
حکومت وقت نے بھی اس میں اپنا حصہ ڈالنا شروع کر دیا۔ دہلی دروازے کے سامنے

میلاد چوک بنا دیا ہے۔ ۲۱ توپوں کی سلامی شروع کر دی گئی ہے۔ ڈھول ڈھمکا، بھنگڑے اور اب مغربی عیسائیوں کا مقبول ناچ، ڈسکو ڈانس بھی خوب ہوتا ہے۔ فلمی گیتوں کی طرز پر شرکیہ نعتیں بھی خوب گائی جاتی ہیں۔

عیسائی لوگ گرجوں کو سجاتے ہیں، وہاں ''چرنی'' بناتے ہیں اور گھروں میں میلادی درخت بناتے ہیں، تو یہ اسلام کے دعویدار بھی مسجدوں کو جھنڈیوں سے سجاتے اور چراغاں کرتے ہیں اور اپنے گھروں اور بازاروں میں پہاڑیاں بناتے ہیں۔ ان پہاڑیوں میں پلاسٹک اور مختلف دھاتوں کے بت رکھتے ہیں، اونچی آواز سے ریکارڈنگ ہوتی ہے اور چراغاں کر کے خوب تماشا کیا جاتا ہے۔ وہی تماشا جو عیسائیوں کے ہاں چرنی بنا کر کیا جاتا ہے، وہ یہاں پہاڑی بنا کر کیا جاتا ہے۔

عیسائی بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یسوع مسیح علیہ السلام ہماری ان خوشیوں کے درمیان موجود ہیں جب کہ ۱۲ ربیع الاول کو میلاد منانے والے بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ۔

دم بدم پڑھو درود
حضرت بھی ہیں یہاں موجود

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں جب کہ آج کے مسلمانوں نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے نور میں سے نور قرار دے دیا یعنی عیسائیوں نے اپنے نبی کو اللہ کا حصہ کہہ ڈالا تو آج کے بعض مسلمانوں نے بھی اپنے نبی کو اللہ کا حصہ قرار دے ڈالا، یوں مقابلہ جاری وساری ہے۔

اسی طرح آج جو عید کارڈوں کی رسم چل نکلی ہے تو یہ رسم بھی عیسائیوں کی ہے۔

پادری ایس کے داس ان کارڈوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

''کرسمس کارڈز کے سلسلے میں بھی بہت ساری روایات ہیں، ان میں سے ایک روایت کے مطابق پانچ سو برس قبل کرسمس کارڈ بھیجنے کی روایت نے جنم لیا۔ اس سے قبل نئے سال کی آمد پر کارڈ بھیجے جاتے تھے۔ سب سے پہلے ایک ایسا کارڈ ۱۴۶۷ء

میں چھپا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک چھوٹے بچے کے روپ میں بادلوں میں دکھایا گیا۔ یہ کارڈ آج بھی برطانیہ کے شہرۂ آفاق عجائب گھر میں محفوظ ہے۔‘‘

قارئین کرام! الغرض بات یہ ہے کہ ایک ایک بات میں عیسائیوں کی نقل جابجا جاری ہے اور یہ بڑی ہی خطرناک اور ایمان شکن حرکت ہے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب من لبس الشهرة : ٤٠٣١)

’’جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی لوگوں میں سے ہے۔

باب نمبر ۵

کلمۂ توحید

(کیا آپ کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ سے واقف ہیں؟)

کلمۂ ایمان کی اہمیت:

لا الہ الا اللہ وہ کلمہ ہے جس کے اقرار سے انسان دائرۂ کفر سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے، جہالت کی تاریک راہوں کو ترک کر کے علم و آگہی کی پر بصیرت راہوں کا راہی بن جاتا ہے، کوئی بھی انسان جو اس کلمۂ توحید کو اپنا لے وہ شیطان کی بندگی سے نکل کر رحمان کی بندگی اور غلامی میں داخل ہو جاتا ہے۔ جس کسی کا سینہ اس کلمے کے نور سے روشن ہو جاتا ہے، وہ جہنم سے بچ کر جنت کا وارث بن جاتا ہے، عرش عظیم کا رب اس کا میزبان بن کر اسے اپنے دیدار کی نعمت عظمیٰ سے نوازتا ہے اور یہ شہنشاہ کائنات کا مہمان بن کر زندگی کا آخری مقصد حاصل کر لیتا ہے۔

تو کیا آپ ایسے عظیم کلمے کی اہمیت سے واقف ہیں؟ اس کے ترجمے اور تشریح سے آشنا ہیں؟ وہ تشریح...... کہ جو خود قرآن نے کی ہے، امام الانبیاء نے بتلائی ہے اور کیا آپ اس کے تقاضوں کو جانتے ہیں اور ان مطالبات کا علم رکھتے ہیں جو یہ کلمہ اپنے ماننے والوں سے کرتا ہے؟

اگر آپ یہ سب کچھ جانتے ہیں اور اس کے مطابق عمل پیرا ہیں تو یقین جانیے تو آپ اس دنیا کے خوش قسمت ترین افراد میں سے ہیں......اور اگر نہیں جانتے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس دنیا کی تمام تر نعمتوں کے میسر آجانے کے باوجود ایسے لوگ سب سے زیادہ بدنصیب افراد میں سے ہیں، کیونکہ کلمۂ ایمان کی نعمت اس کائنات کی سب سے بڑی نعمت ہے، عظیم اور سب سے وزنی نعمت ہے، جس سے یہ لوگ محروم ہو چکے ہیں۔

اس کلمے کی عظمت کا حال امام الانبیاء ﷺ کی زبان مبارک سے ملاحظہ فرمایئے:

''اگر ساتوں آسمان اور زمینیں ایک پلڑے میں اور یہ کلمۂ توحید ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو لا الہ الا اللہ کا کلمہ (وزن میں) بھاری ہوگا۔''

(کشف الخفاء للعجلونی: ۲/۲٤٥۔ الحاوی للفتاویٰ للسیوطی: ۲/۱۰٤)

یاد رکھیے...... اللہ کے رسول ﷺ نے اس کلمہ کی اہمیت سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے، اب اس آگاہی کا ہم سب سے تقاضا ہے کہ ہمارے ہاتھ سے بے شک ساری کائنات کی دولت جاتی ہے تو چلی جائے مگر یہ کلمۂ ایمان نہ جائے اور جہاں تک اس کرۂ ارض (دنیا) کا تعلق ہے جس پر ہم قیام پذیر ہیں تو یہ کائنات کے مقابلے میں ریت کے ذرے کی حیثیت بھی نہیں رکھتی، چہ جائیکہ اس دنیا کے کسی ایک حقیر، فانی اور معمولی سے مفاد کی خاطر اس کلمے کے مطالبات کو نظر انداز کر دیا جائے۔

اب آیئے......ہم اس کلمے کے مطالبات اور تشریح اسی ذات بابرکات سے معلوم کرتے ہیں جس کی وحدانیت کی گواہی یہ کلمہ دیتا ہے۔

''لا'' کا قرآنی مفہوم:

کلمۂ ایمان کا سب سے پہلا لفظ ''لا'' ہے اور یہ کسی چیز کی نفی کے لیے بولا جاتا ہے' اس کے معنی ''نہیں'' کے ہیں۔ چنانچہ اس کلمے کی پہلی بات جو سمجھنے کی ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام کی دعوت نفی سے شروع ہوتی ہے، معبودان باطل کے رد سے شروع ہوتی ہے، اللہ کے دشمنوں کی

مخالفت سے اس کی ابتدا ہوتی ہے۔قرآن میں اس کی تشریح یوں بیان کی گی ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾ [البقرۃ: ۲۵۶]

’’پس جو شخص طاغوت کے ساتھ کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔‘‘

معلوم ہوا اللہ پر ایمان لانے سے پہلے طاغوتوں یعنی اسلام کے باغیوں اور جھوٹے معبودوں کا انکار ضروری ہے۔ چنانچہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اسلام کی طرف دعوت دینے کی یہ جو ترتیب ہے، یہ اللہ کی قائم کی ہوئی ہے، اب کسی نام نہاد مصلحت پسند کی مصلحت اس ترتیب کو تبدیل نہیں کر سکتی۔

قانون الٰہی کے مخالف کی مخالفت:

مزید وضاحت کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ملاحظہ ہو، آپ ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ كَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَرُمَ مَالُهُ وَ دَمُهُ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ »

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ......الخ : ۲۳)

’’جس نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا اور اللہ کے علاوہ جس چیز کی بھی عبادت کی جاتی ہے، اس سے کفر اور انکار کیا تو اس کی جان بچ گئی اور مال محفوظ ہو گیا اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔‘‘

فرمان رسول ﷺ نے کلمۂ توحید کا معنی ومفہوم بالکل واضح کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کلمہ کا اقرار کرتا ہے اور غیر اللہ کا انکار نہیں کرتا تو وہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل نہیں ہے اور یہ کہ ایسے لوگوں کے خلاف جب جہاد ہوگا تو ان کی جان اور مال کی حفاظت اسلام کے

ذمہ نہیں ہوگی اور یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ جب تک اللہ کی ذات کے مخالف، اس کے دین کے مخالف اوراس کے قانون کے مخالف کی مخالفت نہ کی جائے، اس کا انکار نہ کیا جائے، وہ چاہے انسان ہو یا کوئی نظام، اس کے ساتھ کفر نہ کیا جائے......تب تک وہ لا الہ الا اللہ، اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر اور قبول ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔

کلمۂ ایمان میں لفظ ''الہٰ'' کا معنی ومفہوم: ''لا'' کے بعد دوسرا لفظ ''الہٰ'' ہے۔ اب اللہ کا قرآن اس کی تشریح کس طرح کرتا ہے، اس کا معنی ومفہوم کیسے متعین کرتا ہے......؟ ملاحظہ کیجیے!

اللہ تعالیٰ سوالیہ انداز میں اپنے بندوں سے پوچھتے ہیں:

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً
فَأَنبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُوا
شَجَرَهَا ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ﴿٦٠﴾ أَمَّن جَعَلَ الْأَرْضَ
قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ
الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾ أَمَّن
يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ
الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَمَّن
يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَن يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا
بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ
﴿٦٣﴾ أَمَّن يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ
أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٤﴾

(النمل: ٦٠-٦٤)

''بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے وہ خوشنما باغ اگائے جن کے درختوں کو اگانا تمھارے بس میں نہ تھا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور ''الٰہ'' ہے (جو ان کاموں میں شامل ہو)؟ بلکہ یہی لوگ راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر نہریں جاری فرمادیں اور اس میں (پہاڑوں) کی میخیں گاڑ دیں اور پانی کے ذخیروں کے درمیان پردہ حائل کر دیا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور ''الٰہ'' (ان کاموں میں (شریک کار) ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔

کون ہے جو خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں تم کو راستہ دکھلاتا ہے اور کون اپنی رحمت کے آگے ہواؤں کو خوشخبری دے کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور ''الٰہ'' ہے (جو ان کاموں میں شریک ہو)؟ اللہ بہت بلند و بالا ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ اور وہ کون ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر (مارنے کے بعد) پہلی ہی حالت میں لوٹاتا ہے؟ اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور ''الٰہ'' ہے جو (ان کاموں میں حصہ دار ہو)؟ اگر (یہ کسی کو سمجھتے ہیں تو) میرے نبی کہو کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو؟''

اب ذرا دیکھیے اللہ تعالیٰ نے ان پانچ آیات میں اپنی کن کن قدرتوں اور عجائبات کا ذکر کیا ہے:۔

۱۔ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا۔

۲۔ آسمان سے بارش کا برسانا۔

۳۔ بارش کے ذریعہ سرسبز و شاداب باغات کا اگانا۔

۴۔ زمین کو جائے قرار بنانا۔

۵۔ زمین میں نہروں (دریاؤں کا جاری کرنا)۔

۶۔ زمین میں پہاڑوں کا گاڑنا۔

۷۔ دریا اور سمندر میں میٹھے اور کھارے پانی کے درمیان پردہ حائل کر دینا کہ پانی کا اکٹھے بہنے کے باوجود باہم نہ ملنا۔

۸۔ مشکل وقت میں بے کسوں کی فریاد کو پہنچنا۔

۹۔ مشکل کشائی کرنا۔

۱۰۔ اس زمین پر انسانوں کو ایک دوسرے کا جانشین بنانا۔

۱۱۔ جنگل اور سمندر کے اندھیروں میں راہ دکھلانے کے لیے ستاروں وغیرہ کا بندوبست فرمانا۔

۱۲۔ بارش برسانے سے قبل خوشخبری کے طور پر ٹھنڈی ہوائیں چلانا۔

۱۳۔ مخلوق کو پہلی بار بغیر کسی نقشے کے پیدا فرمانا۔

۱۴۔ مارنے کے بعد اس مخلوق کو پھر پہلی اور اصلی حالت پر لوٹانا۔

۱۵۔ آسمان اور زمین سے رزق کا بندوبست فرمانا۔

یہ کل پندرہ چیزیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ان پانچ آیتوں میں ذکر فرمایا ہے۔ ان کا ذکر کر کے پانچ ہی مرتبہ اپنے بندوں سے پوچھا ہے: ''کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الٰہ (معبود) بھی ہے جو ان کاموں میں شریک وشامل ہو؟

قابل غور وفکر اور قابل عمل نکتہ:

یہاں ایک قابل غور نکتہ جو ذہن میں اچھی طرح بٹھانے کا ہے، وہ یہ ہے کہ پانچ ہی مرتبہ اللہ نے لفظ ''مع اللہ'' استعمال فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ انداز بیان خاص طور پر ان لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہے جو بزرگ ہستیوں کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ وہ بھی اس دنیا کے امور میں اللہ کے ساتھ شریک ہیں۔ دراصل ایسا سمجھنے کا نام ہی شرک ہے کہ اللہ کو بھی مانا جائے، اس کی قدرتوں اور اختیارات کو بھی تسلیم کیا جائے اور اللہ کے ساتھ ساتھ بزرگوں کو بھی اللہ کے اختیارات اور قدرتوں میں شریک سمجھا جائے۔

چنانچہ ان پانچ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پندرہ قدرتوں کا ذکر کرکے اپنے بندوں پر واضح کر دیا کہ ان میں اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور یہ کہ جو یہ پندرہ امور سرانجام دیتا ہے اسے ہی ''الٰہ'' کہتے ہیں۔

اب جن کا عقیدہ یہ پانچ آیات پڑھنے کے بعد درست نہ ہو، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان پانچوں آیتوں کے آخر میں پانچ جملے ارشاد فرمائے ہیں، ملاحظہ:۔

۱۔ یہ لوگ راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔

۲۔ ان میں اکثریت نادانوں کی ہے۔

۳۔ تم کم ہی نصیحت پکڑتے ہو۔

۴۔ اللہ بہت بلند ہے ان ہستیوں سے جنھیں یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں۔

۵۔ میرے نبی (ﷺ)! انھیں کہہ دو...... اگر تم سچے ہو تو دلیل لاؤ۔

یہ قدرتیں اور عجائب جن کا اللہ نے یہاں ذکر کیا ہے ان میں اگر کوئی شخص اللہ کے ساتھ کسی بزرگ کو شامل سمجھتا ہے تو یہ سیدھی راہ سے ہٹا ہوا ہے، وہ نصیحت بھی نہیں پکڑتا۔ ایسا عقیدہ بہر حال شرک ہے اور یہ شرک کرنے والا اپنے باطل عقیدے کے مطابق جس طرح چاہے شرک کرتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ ایسی ہستیوں سے جنھیں یہ اللہ کا شرک بنائے چلا جا رہا ہے، بہت بلند اور اعلیٰ ہے۔ اب ایسا شخص کہ اس کا اپنے اس نظریے پر اصرار ابھی تک جاری ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اس سے کہو: ''تم اپنے اس دعویٰ کے حق میں دلیل لاؤ، اگر تم اپنے اس عقیدے میں سچے ہو'' کہ کوئی بزرگ ہستی اللہ کے ساتھ ان کاموں میں شریک ہے۔

اب ایسا عقیدہ اور نظریہ رکھنے والے یہ بے چارے دلیل کیا لائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان پانچ آیات کے بعد چھٹی آیت میں دوبارہ اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾ (النمل: ٦٥)

''میرے رسول (ﷺ) کہو...... اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا اور انھیں تو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کب (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔''

اور یہ بزرگ لوگ کہ جنہیں تم اللہ کے معاملات میں دخیل سمجھتے پھر رہے ہو، وہ بے چارے دخل کیا دیں گے، وہ تو اس سے بھی بے خبر ہیں کہ آسمانوں اور زمین میں کیا ہو رہا ہے۔ مزید یہ کہ یہ کسی دوسرے کی خبر سے کیا واقف ہوں گے، وہ تو اپنے آپ ہی سے ناواقف ہیں، انھیں تو اپنے بارے میں بھی یہ معلوم نہیں کہ انھیں موت کے بعد کب اٹھا کر کھڑا کیا جائے گا۔ چنانچہ جو بے چارہ اس قدر بے بس اور بے خبر ہو وہ کسی کی خبر کیا لے گا!

مشرکوں نے پیغمبر اور اس کی ماں کو ''الٰہ'' بنا ڈالا:

اللہ تعالیٰ کے علاوہ یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس کسی کی بھی عبادت کی جائے، وہ نبی ہو یا ولی، پتھر ہو یا اور کوئی چیز...... وہ اس شخص کا ''الٰہ'' بن جاتی ہے جو اس کی عبادت کرے۔

ہمارے اس دعویٰ پر قرآن کے دلائل ملاحظہ کیجیے اور ''الٰہ'' کے معنی اور مفہوم کو بھی مزید جاننے کی کوشش کیجیے۔

قیامت کا دن ہوگا، اس دن کا وہ منظر یاد کیجیے جب آدم علیہ السلام سے لے کر اس دنیا کے خاتمے تک جو آخری فرد پیدا ہونے والا ہے، سب میدان محشر میں جمع ہوں گے۔ فرشتے صف باندھے حاضر ہوں گے، تمام انبیاء بھی موجود ہوں گے، جنات کی مخلوق بھی وہیں ہوگی، تب جناب عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہوں گے، اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے:

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ
إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي
بِحَقٍّ ۚ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي

نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿١١٦﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ
اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي
كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾

(المائدۃ:۱۱۶-۱۱۷)

''اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو ''الٰہ'' بنا لو؟ تو وہ جواب میں عرض کریں گے: ''سبحان اللہ! میرا یہ کام نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوتا۔ آپ تو جو کچھ میرے دل میں ہے جانتے ہیں اور نہیں جانتا جو کچھ آپ کے جی میں ہے، بے شک آپ ہی غیبوں کو خوب جاننے والے ہیں۔ میں نے انھیں صرف وہی بات کہی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا، یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمھارا بھی۔ میں اس وقت تک ان (نصاریٰ) کا نگران تھا جب تک میں ان کے درمیان تھا، جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو ان پر آپ ہی نگران تھے اور آپ ہی ہر شے پر نگران ہیں۔''

ثابت ہوا کہ جب عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی عبادت کی تو درحقیقت انھوں نے دونوں ماں بیٹے کو اپنا ''الٰہ'' بنا لیا۔

قوم نوح نے اولیائے کرام کو ''الٰہ'' کا مرتبہ دے دیا:

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا

يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ﴿٥٩﴾ (الاعراف:۵۹)

''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمھارا کوئی ''الٰہ'' نہیں ہے۔''
قوم کے لوگ یہ وعظ سن کر آپس میں کہنے لگے:

لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾
(نوح:٢٣)

''اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ہی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنا۔''

یہ پانچ شخصیتیں (پنج تن) نوح علیہ السلام سے پہلے نیک ہستیاں ہو گزری تھیں۔ یہ بزرگ ہستیاں اولیائے کرام کی ہستیاں تھیں، جنھیں اس وقت کے لوگوں نے اپنا ''الٰہ'' بنا رکھا تھا۔ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگ تھے، جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو یہ بات سجھائی کہ یہ نیک لوگ جس جگہ بیٹھتے تھے وہاں بطور یادگار پتھر نصب کرو اور اس پتھر کو ان کے نام سے پکارو۔ لہٰذا انھوں نے ایسا ہی کیا، جب پہلے لوگ مر گئے اور علم ان سے جاتا رہا تب ان کی اولاد نے ان کی یادگاروں کی عبادت شروع کر دی۔''

(صحيح بخاری، كتاب التفسير، باب وَدًّا ولا سواعا ولا يغوث ويعوق: ٤٩٢٠)

قرآن و حدیث کی اس صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح نے ان اولیائے کرام کی عبادت کر کے انھیں اپنا ''الٰہ'' بنا لیا تھا۔

قوم ابراہیم نے ''اصنام'' پتھر کی تصاویر کو اپنا ''الٰہ'' بنا لیا:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٧٤﴾ (الانعام:٧٤)

''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا: ''کیا تو نے اصنام (بتوں) کو ''الٰہ'' بنا لیا؟...... بلاشبہ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں خیال کرتا ہوں۔''

معزز قارئین! آپ نے قرآن کی راہ نمائی ملاحظہ فرما لی کہ پیغمبر ہو یا اس کی والدہ، اولیاء

ہوں یا اصنام ان میں سے جس کسی کی بھی عبادت کی جائے وہ عبادت کرنے والے کا ''الٰہ'' ٹھہرتا ہے۔

لوگ ''الٰہ'' کیوں بناتے ہیں:

لوگ اللہ کے علاوہ یا اللہ کے ساتھ ''الٰہ'' کیوں بناتے ہیں، ان سے ان کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ اگر انھیں الٰہ بنانے سے ان کا مقصد اپنی حفاظت ہے، مصائب و آلام سے بچنا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے مقاصد سے کہ جنہیں غیر اللہ سے وابستہ کیا گیا ہے، پر تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُم مِّن دُونِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنفُسِهِمْ وَلَا هُم مِّنَّا يُصْحَبُونَ ﴿٤٣﴾ (الانبیاء:٤٣)

''کیا ان کے کوئی ایسے ''الٰہ'' بھی ہیں جو ہمارے علاوہ ان سے مصائب کو روک لیں گے؟ یہ تو اپنی مدد نہیں کر سکتے اور نہ ان کو ہماری تائید ہی حاصل ہے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے دونوں باتوں کی نفی کر دی۔ ایک یہ کہ یہ بزرگ اپنے ماننے والوں پر آنے والی آفتوں کو ٹال دیتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ان بزرگوں کو اللہ سے کوئی خصوصی تعلق ہے، جس کی وجہ سے اللہ ان کی کسی بات کو ٹالتا نہیں۔ سو اللہ نے واضح طور پر اپنی مخلوق کو آگاہ کر دیا تھا کہ اللہ کے ساتھ خصوصی تعلق کا ذکر کر کے ولایت کے قصے اور کرامتوں کے چرچے کر کے کوئی اللہ کے بندوں اور بندیوں کو لوٹتا نہ پھرے۔

ایک دوسرا مقصد کہ جس کا اظہار لوگ عام طور پر اس طرح کرتے ہیں...... کہ جی ......ہم ان بزرگوں کو ''الٰہ'' تھوڑا ہی خیال کرتے ہیں، بس یہ تو اللہ کے ولی اور محبوب ہیں اور ان کے واسطے، وسیلے اور قرب کی وجہ سے ہم بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رہتے ہیں، یہ اللہ کے بہت زیادہ قریب ہیں۔ چنانچہ جب یہ ہم سے خوش ہو جاتے ہیں تو ان کی خوشنودی کی وجہ سے اللہ بھی ہم سے خوش ہو جاتا ہے، ہم پر کرم کرتا ہے اور مصائب کو ہم سے دور رکھتا ہے۔ یہی عقیدہ

اور نظریات مشرکین مکہ کے تھے جن کا اظہار وہ دعوت توحید کے مقابلے میں کیا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں آگاہ فرمایا کہ جیسا عقیدہ تمھارا ہے ایسا ہی عقیدہ تم سے قبل ریگستان عرب میں رہنے والی قوم عاد کا تھا۔ چنانچہ ایسے ہی عقائد کی پاداش میں جب ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تو یہ بزرگ بے چارے ڈھونڈے سے بھی نہ ملتے تھے:

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً ۖ بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ ۚ وَذَٰلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۸﴾ (الاحقاف: ۲۸)

’’پھر کیوں نہ ان بزرگ ہستیوں نے ان کی مدد کی جنہیں اللہ کو چھوڑ کر ان لوگوں نے اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہوئے ’’الٰہ‘‘ بنا لیا تھا؟ بلکہ وہ تو (اس وقت) ان سے گم ہو گئے اور یہ تھا ان کا جھوٹ اور ان بناوٹی عقائد کا انجام جو انھوں نے گھڑ رکھے تھے۔‘‘

خودساختہ الٰہوں کی ٹھاٹھ باٹھ اپنے مریدوں کی محتاج ہے:

اللہ تعالیٰ نے ان بزرگ ہستیوں کا ذکر یوں فرمایا:

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُونَ ﴿۷۵﴾ (یٰسٓ: ۷۴-۷۵)

’’اور انھوں نے اللہ کے علاوہ ’’الٰہ‘‘ بنا رکھے ہیں، اس امید پر کہ وہ ان کی مدد کو پہنچیں گے۔ وہ تو ان کی مدد کرنے کی ہمت ہی نہیں رکھتے بلکہ یہ لوگ تو الٹا ان (بزرگ ہستیوں) کے حاضر باش جتھے بنے ہوئے ہیں۔‘‘

بزرگ ہستیوں اور ان کے ماننے والوں کے درمیان جو خدائی عقیدت کا معمہ اور خول چڑھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اس کا کس قدر حقیقت افروز تجزیہ پیش کر دیا ہے، تاکہ بھولے بھٹکے لوگ اس خول سے باہر آ جائیں اور اس بات پر غور وفکر کریں...... کہ

ماننے والوں نے مدد کی آس پر ان بزرگ ہستیوں کو اپنا الٰہ بنایا تھا مگر وہ اپنے ماننے والوں کی مدد تو کیا کریں گے، الٹا ان کی ولایت اور ان کی عظمت خود ماننے والوں کی محتاج ہے کہ وہ بزرگوں کے آستانے پر نیازیں لاتے ہیں، مال نچھاور کرتے ہیں اور یہاں کے حضرت صاحب جنہیں خلیفہ اور سجادہ نشین کہا جاتا ہے، اسی مال پر پلتے ہیں، محلات میں رہتے ہیں، سیاسی اقتدار حاصل کرتے ہیں اور یہ روحانی پیشوا دنیاداروں سے کہیں بڑھ کر سیاسی چالیں اور مسرفانہ کھیل بھی کھیلتے ہیں۔ یہ مرید ان لوگوں کو ان کے ٹھاٹھ باٹھ کے لیے نذر و نیاز کی صورت میں سرمایہ فراہم کرتے ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں، ان کی گدیوں اور ان کے درباروں کے گلوں اور خزانوں کو تالے لگا کر ان کی نگہبانی کرتے ہیں...... اگر یہ نذریں نہ مانیں، عرس نہ منائیں، ان کی شہرت اور ولایت کے ڈنکے نہ بجائیں، تماشے نہ کریں، ان کے مرید نہ بنیں، تو ان کی بزرگی اور ولایت کے سارے سلسلے ٹوٹ کر ختم ہو جائیں......یعنی یہ اپنی بزرگی کے لیے بندوں کے محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو بتلا رہے ہیں کہ جو خود محتاج ہے وہ تمھاری مدد کیا کرے گا!! جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بزرگ ہستیوں کی پتھر کی تصاویر کو توڑا تو ان کے ماننے اور عقیدت رکھنے والے کہنے لگے:

حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ ﴿٦٨﴾ (الانبیاء: ٦٨)

''ابراہیم علیہ السلام کو جلادو اور (اس طرح) اپنی بزرگ ہستیوں ''الٰہوں'' کی مدد کرو۔''

یعنی جب ''الٰہ'' پر مشکل وقت آیا تو خود مرید میدان میں آ گئے......قرآن نے ثابت کر دیا کہ اگر یہ مرید اپنی بزرگ ہستیوں کے درباروں اور آستانوں اور وہاں جمع ہونے والی نذر و نیاز کی حفاظت نہ کریں تو یہ درباری اور خانقاہی نظام کے سلسلے کا وجود ہی ختم ہو کر رہ جائے ......اور جن کا وجود ہی اپنے ماننے والوں کا محتاج ہو...... ان کی عبادت کیوں ......؟ چنانچہ سورۃ زخرف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر لوگوں کو یوں سمجھایا:

وَسْـَٔلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رُّسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِن دُونِ الرَّحْمَٰنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ ﴿٤٥﴾ (الزخرف: ٤٥)

''میرے نبی (ﷺ)! آپ سے پہلے جتنے بھی رسول ہو گزرے ہیں، ان سے پوچھو...... کیا ہم نے رحمان کے علاوہ کوئی ایسے ''الٰہ'' (بزرگ) بنائے ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے؟''

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے مخاطب ہو کر لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں کہ اللہ نے جتنے بھی رسول دنیا میں بھیجے وہ جو عقائد اور نظریات اپنی اپنی قوموں میں چھوڑ گئے، ان میں دیکھ لو...... تمھیں یہ بات کہیں بھی دکھلائی نہیں دے گی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ یا اللہ کے ساتھ کسی اور کی بھی عبادت ہو سکتی ہے۔

عبادت کیا ہے؟:

جو شخص جرم کا ارتکاب کرتا ہے وہ بھلا اپنا جرم تسلیم کرتا ہے؟ اور جو مجرم جرم کو جرم ہی نہ سمجھے بلکہ بھلائی سمجھ کر کرے، وہ بھلا اپنے جرم سے کب باز آئے گا، جب تک کہ اسے یہ نہ بتلا دیا جائے کہ اللہ کے بندے...... جسے تو بھلائی سمجھ کر کر رہا ہے وہ تو جرم ہے...... جرم......
چنانچہ مشرکین مکہ کو جب اللہ کے رسول ﷺ لات و منات جیسی بزرگ ہستیوں کی عبادت سے منع کرتے تو وہ کہتے:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ۝ (الزمر: ۳)

''ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر بات یہ ہے کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔''

غور فرمائیں...... کہ بزرگوں کی عبادت سے مشرکین مکہ بھی انکار کرتے ہیں اور صرف انکار ہی نہیں کر رہے بلکہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہ اقرار بھی کر رہے ہیں کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے، مگر ان کا یہ اقرار کیسا ہے اور عمل کس طرح کا تھا، ملاحظہ کیجیے:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرکین کہا کرتے تھے۔

''اللہ تیری جناب میں حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں۔'' یہاں اللہ کے رسول ﷺ

فرماتے: ’’تم پر افسوس ہے، یہیں رک جاؤ۔‘‘ (مگر وہ مشرک اس کے بعد کہتے) ’’البتہ وہ شریک جو کہ تیرے ہی ہیں اور جن کا تو ہی مالک ہے اور جس چیز کے یہ مالک ہیں، اس کا بھی (اے اللہ!) تو ہی مالک ہے۔‘‘ مشرکین یہ الفاظ کعبے کا طواف کرتے ہوئے کہتے۔‘‘

(صحيح مسلم، كتاب الحج، باب التلبية و صفتها و وقتها : ١١٨٥)

اب جس جگہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ......اس کے بعد انھوں نے جو کچھ کہا......اسی کا نام شرک ہے، یہی غیر اللہ کی عبادت ہے اور جو ایسا کرتا یا کہتا ہے وہ چاہے زبان سے لاکھ کہے کہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، یہ کہنے کا اسے اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں ہے جب تک کہ وہ بزرگ ہستیوں (الٰہ) کے لیے ان عقائد اور نظریات کا انکار نہ کرے جو صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے خالص ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ یہ ملاحظہ کرنے سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے فرمان الٰہی سن لیجیے:

’’میں شرک سے متعلق تمام شریکوں سے بے پروا ہوں، جس نے کوئی ایسا عمل کیا کہ اس عمل میں میرے ساتھ دوسروں کو شریک کر لیا تو میں اس شریک کرنے والے شخص اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں اور میں ایسے آدمی سے بے زار ہوں۔‘‘

(صحيح مسلم، كتاب الزهد باب تحريم الريا: ٢٩٨٥)

بدنی عبادت اللہ کے لیے ہے:

سب سے بڑی عبادت جسے ہم روزانہ پانچ وقت ادا کرتے ہیں، وہ نماز ہے......تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنے کے بعد نماز کی سب سے پہلی حالت قیام ہے، جس میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر نماز جیسی عبادت اللہ کے ہاں قبول ہی نہیں۔ اس سورت میں ہم دن میں کئی دفعہ اقرار کرتے ہیں:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ (الفاتحة: ٥)

''ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔''

اب دیکھیے ! اللہ ہی سے مدد مانگنا عبادت کا ایک حصہ ہے، مگر اللہ نے عبادت کا ذکر کرنے کے بعد عبادت کے اس حصے (مدد مانگنے) کا بطورِ خاص اس لیے ذکر فرمایا کہ میرا بندہ مجھی سے وابستہ رہے، مجھی سے چمٹا رہے، میرا دامن چھوڑ کر اپنی مشکلات کے حل اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے غیروں کی طرف نہ جھکے ...... اور مدد مانگنے کا بطورِ خاص اس لیے بھی ذکر فرمایا کہ انسان جب بھی گمراہ ہوتا ہے، شرک کا ارتکاب کرتا ہے تو یہیں سے کرتا ہے کہ بیماری آنے پر، کوئی مصیبت آنے پر، جلد بازی کا مظاہرہ کر کے، محض کسی کے کہنے پر غیر اللہ کی چوکھٹ پر جا گرتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے عبادت کا عام ذکر کرنے کے بعد عبادت کے ایک حصے ''مدد مانگنے'' کا بطورِ خاص اس لیے ذکر کیا کہ میرا بندہ کہیں بھٹکنے نہ پائے۔

نماز میں قیام کے بعد دو اہم حالتیں رکوع اور سجدے کی حالتیں ہیں۔ رکوع میں مالک کے حضور کمر جھکتی ہے اور سجدے میں ناک اور پیشانی خاک آلود ہوتیں ہیں۔ چنانچہ طواف کے بعد ان تینوں حالتوں کا اللہ نے بطورِ خاص ذکر فرماتے ہوئے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تاکید کی ہے:

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿٢٦﴾

(الحج: ٢٦)

''اور جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے خانہ کعبہ کو مقام مقرر کیا (اور ارشاد فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں' قیام' رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا۔''

یہ چار حالتیں جو عجز و انکسار کی انتہائی حالتیں ہیں اور جس ترتیب سے اللہ نے ان کا ذکر فرمایا ہے' اسی ترتیب کے مطابق ایک سے بڑھ کر دوسری حالت عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتی ہے۔ یہ حالتیں صرف اللہ ہی کے لیے زیبا ہیں......اگر کوئی انسان یہ حالتیں کسی اور کے

سامنے بجالائے گا تو وہ اللہ کے ساتھ شرک جیسے ناپاک گناہ کا ارتکاب کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو واضح طور پر آگاہ کر دیا کہ بیت اللہ (مرکز توحید) کو ایسی آلودگیوں سے ان لوگوں (موحدین) کے لیے پاک صاف رکھیے جو یہ حالتیں صرف اللہ ہی کے لیے بجا لائیں۔

اب غور فرمایے...... یہ جو قبروں اور قبوں کے طواف اور پھیرے ہیں، قبروں میں دفن بزرگوں کے مزاروں اور ان کے گدی نشینوں کے سامنے لوگ ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے ہیں۔ سنگ مرمر سے آراستہ قبروں اور ان کے گدی نشینوں کو دیکھتے ہی رکوع کی حالت میں جھک جاتے ہیں اور بعد میں سجدہ ریزی کا ارتکاب تک کر گزرتے ہیں ......تو بتلایے...... یہ ان کی عبادت نہیں کرتے تو اور کیا کرتے ہیں؟ اور اگر یہ سب کچھ کرنے کے باوجود یہ لوگ متواتر رٹ لگاتے چلے جائیں کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے تو پھر...... آخر عبادت کس شے کا نام ہے؟ بہر حال قرآن کے ہاں یہی عبادت ہے جسے یہ لوگ غیروں کے لیے بجالاتے ہیں۔

ذکر و دعا اور فریاد و نعرے سب زبانی عبادتیں ہیں:

نماز کے آخر میں نمازی تشہد کے لیے بیٹھتا ہے اور بیٹھتے ہی تین جملے اپنی زبان سے یوں دہراتا ہے:

((اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ))

(صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب التشهد فی الآخره : ٨٣١)

''سب زبانی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔''

نمازی اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ زبانی عبادتیں صرف اللہ کے لیے ہیں...... اب زبان کی عبادت یہی ہے کہ اللہ کو ''الٰہ'' مان کر اسی سے مدد کی درخواست کی جائے، دعا کی جائے، پکار کی جائے، فریاد کی جائے، مانگا جائے اور اس کی حمد و ثنا کی جائے۔ یہ سب زبان کی عبادتیں ہیں اور جس رب کے لیے یہ عبادتیں بجا لائی جائیں وہی ''الٰہ'' ہوتا ہے۔ جیسا کہ

اصحاب کہف نے کہا:

فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝ (الکھف:۱٤)

''انھوں نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور ہم اس کے علاوہ کسی کو الٰہ (سمجھ کر) ہرگز نہیں پکاریں گے، اگر ہم نے ایسا کہا تو بڑی کفر کی بات کہیں گے۔''

اصحاب کہف اس بات کا اعلان کر رہے ہیں کہ ہمارا رب وہی ہے جو ساری کائنات کا رب ہے اور ہم ''الٰہ'' مان کر اسی رب کو پکاریں گے، اس کے علاوہ اور کسی کو نہیں پکاریں گے۔ جیسا کہ مشکلات میں گھر جانے پر اللہ کے پیغمبر جناب لوط علیہ السلام نے مدد کے لیے اللہ ہی کو پکارا:

رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (العنکبوت:۳۰)

''میرے رب! ان فسادی لوگوں کے خلاف میری مدد فرما۔''

''یا علی مدد'' پکارنے والے غور فرمائیں کہ حضرت لوط علیہ السلام مدد کے لیے کس کو پکار رہے ہیں؟ قرآن ان کی زبان سے ہمیں یہ درس دے رہا ہے کہ ''یا علی مدد'' کے بجائے ''یا رب مدد'' پکارو!...... ''یا علی'' کے نعرے لگانے کی بجائے ''یا اللہ'' کے نعرے لگاؤ۔ کیونکہ نعرے کا مطلب اور مقصد مدد کے لیے ندا اور پکار ہے اور پکار صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ جیسا کہ مالک الملک نے خود فرمایا:

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (المؤمنون:۱۱۷)

''اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو الٰہ بنا کر پکارتا ہے کہ جب ایسا کرنے کی اس کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ یاد رکھو! کافر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔''

اب لامحالہ دلیل تو اللہ کی بات ہی بنے گی اور اللہ کی بات قرآن ہے اور وہ بار بار اللہ کے ساتھ کسی دوسرے ''الٰہ'' کی تردید کر رہا ہے۔ چنانچہ کسی دلیل کی عدم موجودگی میں جو شخص اللہ کے ساتھ دوسروں کو ''الٰہ'' بنا کر پکارے جا رہا ہے، اللہ اسے کفار کے زمرے میں شامل کر کے اسے یہ وعید بھی سنا رہے ہیں کہ تیرے اس طرز عمل کا حساب اللہ کے پاس موجود ہے اور اس کی جوابدہی تجھے بہرحال کرنی ہے۔

اب فکر انگیز بات یہ ہے کہ مدد کے لیے ''یا رسول اللہ'' پکارنا، ''یاعلی مدد'' پکارنا، شیخ عبدالقادر جیلانی کو ''یاغوث الاعظم'' کہہ کر پکارنا اور اس قسم کے دیگر نعرے لگانا، کیا اللہ کے ساتھ دوسروں کو پکارنا نہیں؟ کیا یہ زبان کی عبادت نہیں ہے؟ یقیناً یہ زبان کی عبادت ہے۔ الٰہ العالمین کا فرمان ملاحظہ کیجیے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾ (المؤمن: ٦٠)

''(لوگو!) تمھارا پروردگار فرماتا ہے کہ مجھی کو پکارو، میں تمھاری فریاد سنوں گا، بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ جلد جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔''

اسی سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان بھی دیکھیے:

((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ))

(ترمذی، تفسير القرآن، سورة البقرة: ٢٩٦٩)

''پکار ہی تو عبادت ہے۔''

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ زبان سے پکارنا زبان کی عبادت ہے۔ یہ وظیفے کرنا، یہ نعرے لگانا، یہ دعائیں، ندائیں اور یہ التجائیں سب زبان کی عبادت ہیں اور عبادت صرف اللہ کے لیے ہے، کسی غیر کے لیے نہیں، چاہے وہ پیغمبر ہو، صحابی

ہو، ولی ہو یا کوئی اور ہو ...... یہ سب اللہ کے غیر ہیں، ان میں کوئی بھی اللہ کی الوہیت میں شامل نہیں اور غیروں کو اللہ کے ساتھ شامل کر کے پکارنے کا نام ہی تو عبادت ہے۔

نذر و نیاز اور صدقات بھی مالی عبادات ہیں:

نذر و نیاز اور صدقہ وخیرات سب مالی عبادتیں ہیں اور مال کی عبادت بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

مالی عبادت کے بارے یہ بنیادی بات سمجھنے کی ہے کہ یہ ساری کائنات اور اس میں جو کچھ ہے یہ سب اللہ کا مال ہے:

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴿١٦﴾ (الرعد:١٦)

''اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔''

چنانچہ جب اللہ ہی سارے مال کا پیدا کرنے والا ہے تو خرچ کیا جائے تو اسی کے نام پر خرچ کیا جائے، دیا جائے تو اسی کے نام کا دیا جائے ...... یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا کے تمام بزرگ اور ولی اکٹھے ہو جائیں تو خشخاش کا ایک دانہ یا گھاس کا ایک تنکا تک پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ اپنی بھوک کی حاجت کو مٹانے کے لیے خود اناج کے محتاج ہیں۔ تو پھر بڑی بڑی نیازیں ان کے نام کی کیوں دی جائیں؟ اللہ تعالیٰ اس طرزِ عمل کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا ﴿٣﴾ (الفرقان:٣)

''ان لوگوں نے اللہ کے سوا ایسے الٰہ بنا رکھے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے، وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں اور یہ تو اپنی ذات کے نفع ونقصان کے مالک بھی نہیں اور نہ موت وحیات اور نہ دوبارہ جی اٹھنے ہی کا اختیار رکھتے ہیں۔''

یعنی یہ بے چارے کوئی شے کیا بنائیں گے، یہ تو خود بنے ہوئے ہیں اور جو خود بنا ہوا ہو وہ کچھ بنا نہیں سکتا۔ پھر وضاحت کرتے ہوئے اللہ نے ہمیں مزید خبر دی کہ کوئی شے پیدا کرنا تو در کنار یہ تو اپنی ذات کے مالک بھی نہیں اور اپنی ذات سے باہر ان کی بے بسی کا یہ حال ہے کہ یہ کسی چیز کے مالک ہی نہیں، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ﴿١٣﴾
(فاطر:١٣)

''اللہ کو چھوڑ کر جنہیں تم پکارتے پھر رہے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے (اندر موجود بالکل باریک سے) چھلکے کی ملکیت بھی نہیں رکھتے۔''

آپ ذرا غور کریں...... اللہ نے یہاں پوری کھجور کا ذکر نہیں فرمایا۔ کیوں......؟ اس لیے کہ اس کا گودا جسم کی نشوونما کرتا ہے، گٹھلی کا نام بھی نہیں لیا کیونکہ اسے اگر زمین میں دبادیا جائے تو کھجور کا درخت اگ آتا ہے...... ذکر فرمایا تو گٹھلی کے اوپر لپٹی ہوئی باریک جھلی کا کہ جو انسان کے کسی کام نہیں آتی اور جس کی حیثیت کسی شمار میں نہیں۔ تو ایسی شے کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ بے چارے ''الٰہ'' تو اس نا کارہ سی شے کے مالک بھی نہیں۔ تو جب یہ نہ کوئی چیز بنانے والے ہیں، نہ کسی شے کے حقیقی مالک ہیں کہ کسی کو اپنی ملکیت میں سے کچھ دے سکیں تو پھر اللہ کی بنائی ہوئی شے، اللہ کی دی ہوئی چیز ان کے نام کے ساتھ منسوب کیوں کی جائے؟ ان کے نام پر مشہور کیوں کی جائے ، اللہ کے نام کے ساتھ ان کا نام شامل کیوں کیا جائے؟ صدقہ وخیرات دیتے وقت اللہ کے نام کے ساتھ ان کے نام کو شریک کیوں کیا جائے......؟ کسی جانور یا کھیر پر اللہ کے نام کے ساتھ ان کا نام شامل کرنا ،مشہور کرنا اور شریک کرنے کا نام ہی تو شرک ہے ...... اور یہی ناشکری اور نمک حرامی ہے کہ بنانے اور دینے والا صرف اللہ......اور نام چلتا پھرے بزرگوں کا......آخر یہ ظلم کیوں؟

آج ہمارے معاشرے میں ''بابا گایاں والا'' کے نام پر بے شمار گایوں کی ٹولیاں لوگوں کی فصلیں اجاڑتی پھرتی ہیں......مگر لوگ انھیں کچھ کہنے سے ڈرتے ہیں کہ بابا ناراض ہو جائے

گا۔ یہ بستیوں میں آتی ہیں تو عورتیں انھیں روٹیاں کھلاتی ہیں، ان کے گلے میں بندھی ہوئی ٹاکیوں میں نوٹ اور سکے باندھ دیتی ہیں، یہ یقین کر کے کہ اب ان کی کئی امیدیں بر آئیں گی اور حاجتیں پوری ہوں گی۔ یہی کام عرب کے مشرک کیا کرتے تھے، وہ بھی اپنی اونٹنیوں اور بکریوں کو ایسے ہی چھوڑ دیا کرتے تھے۔ ان کے اس شرکیہ طرزِ عمل کو اللہ نے یوں بیان کیا ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾ (المائدہ: ۱۰۳)

''اللہ نے نہ کوئی بحیرہ بنایا ہے نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حام مگر یہ کافر لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں اکثریت بے عقلوں کی ہے۔''

دیکھیے! قرآن ان شرکیہ نظریات کی پر زور انداز سے تردید کر رہا ہے کہ یہ عقائد اور خیالات ان لوگوں کے اپنے ہیں اور یہ جو انھوں نے اللہ اور بزرگوں کے نام پر یہ جانور چھوڑ رکھے ہیں تو اللہ کا ایسی ملاوٹی مالی عبادت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

نذر و نیاز اور ایصالِ ثواب کی رسومات میں شرک کی آمیزش:

قرآن کی یہ راہ نمائی آج کے لوگوں کو بھی یہ سبق دے رہی ہے کہ یہ پیر عبدالقادر جیلانی کے نام کی گیارہویں جو تم نے مشہور کر رکھی ہے، یہ طرزِ عمل تمھارا اپنا گھڑا ہوا ہے۔ یہ گیارہویں اور یہ جناب جعفر صادق کے کونڈے اللہ نے نہیں بنائے، یہ اللہ کا نام لے کر تم اللہ پر جھوٹ بولتے ہو۔

چاول اللہ کے پیدا کردہ ہیں، دودھ اللہ کا تیار کردہ مشروب ہے اور تم اسے اپنے ''الٰہ'' بزرگوں کے نام پر مشہور کر کے ساتھ اللہ کا نام لے کر خود اپنے آپ کو اور اس شرکیہ طرزِ عمل سے روکنے والوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہو۔ جب تم سے کوئی جواب بن نہیں پاتا تو کہتے ہو کہ ہم ان بزرگوں کے ''ایصالِ ثواب'' کے لیے یہ خیرات دیتے ہیں۔ یہ ایصالِ ثواب تو گنہگاروں کے لیے ہے اور تم ان بزرگوں کو بھلا گنہگار کب سمجھتے ہو، تم تو انھیں گناہوں سے

پاک اور انھیں اپنا داتا اور غوث سمجھتے ہو۔ تم تو ان سے کچھ لینے کی نیت سے انھیں دیتے ہو، ان کو راضی کرنے کے لیے ان کے نام کا پکاتے ہو۔ یاد رکھو! توحید کا وعظ کرنے والے اپنے محسنوں کو تم ایسی ذومعنی باتیں کر کے مغالطے میں ڈال سکتے ہو مگر تم اللہ کو دھوکا اور مغالطہ نہیں دے سکتے اور مشرکین مکہ کے طور طریقوں سے آنکھیں نہیں چرا سکتے جو تمھارے طرز عمل سے ملتا جلتا ہے۔

جناب جعفر صادق کے کونڈوں کا حلوہ جس سوجی سے بناتے ہو وہ سوجی گندم ہی سے بنتی ہے، وہ گندم کہ جس کا ایک دانہ زمین میں بویا گیا، سورج کی کرنیں سمندر کے پانیوں پر پڑیں، یہ پانی بھاپ بن کر آسمان کی طرف اٹھا، وہاں بدلیوں میں تبدیل ہوا، پھر مالک کے حکم سے ہوائیں ان بدلیوں کو اٹھا کر زمین پر پھیلانے لگیں۔ پھر یہ پانی بارش بن کر برسا، زمین نے اس کو پیا، ادھر ہوا زمین کے مساموں میں داخل ہوئی اور احسن الخالقین کے حکم سے ننھی سی کونپل گٹھلی اور دانے کا سینہ پھاڑ کر اور زمین کو چیر کر باہر نکل آئی۔ دوستو! سوچو تو سہی! ننھی سی کونپل میں بھلا اتنی قوت کہاں ہے؟ یہ تو قادر مطلق کی قدرت کا کرشمہ ہے:

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ﴿۹۵﴾ (الانعام: ۹۵)

''بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا ہے۔''

ازاں بعد پانی کی برودت' ہوا کی سرسراہٹ' چاند کی ٹھنڈک اور آفتاب کی تمازت اللہ کے حکم سے اس کی نشو ونما میں اپنا فریضہ ادا کرتی ہوئی اسے اس مقام تک لے آئی کہ ایک دانے سے سات سو دانے بن چکے تھے، مگر بنانے والا کون تھا؟ ملاحظہ فرمایئے:

مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۶۱﴾ (البقرۃ: ۲۶۱)

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال اس دانے کی سی

ہے جس سے سات بالیاں (سٹے) نکلیں، ہر بالی میں سو دانے ہیں اور اللہ جسے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ کرتا ہے اور اللہ وسعت والا، جاننے والا ہے۔''

کس قدر ناشکری، ناقدری اور نمک حرامی ہے کہ انہی دانوں سے سوجی بنی، سوجی سے حلوہ تیار ہوا، انہی دانوں کے میدے کی پوڑی بنی، مگر یہ پوڑی اور حلوہ کس کے نام پر مشہور ہوا؟ یہ جناب جعفر صادق کے کونڈوں کے نام سے معروف ہوا۔ (العیاذ باللہ!)

اللہ والوں کا طرز عمل کیا ہوتا ہے، اس آیت نے اس سے بھی آگاہ کیا کہ اللہ کے بندے اللہ کا دیا اللہ کے راستے میں ہی خرچ کرتے ہیں اور مالی عبادت الٰہ کے نام پر ہی بجالاتے ہیں۔

اللہ کا راستہ یہی ہے کہ وہ اللہ کے نام کے ساتھ کسی دوسرے کے نام کو شامل وشریک نہیں کرتے اور وہ ایسا کریں بھی کیسے کہ پھلوں اور اناج کے اگنے اور نشو ونما پانے کے سارے منصوبے میں اللہ کے ساتھ شامل وشریک ہے ہی کوئی نہیں۔

اسی طرح اللہ کی بندیاں نذر مانتی ہیں تو وہ بھی اللہ کے لیے، جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے اس طرح نذر مانی:

رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيٓ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾ (آل عمران: ٣٥)

''میرے رب! میں اس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے، تیری نذر کرتی ہوں، وہ تیرے ہی کام کے لیے وقف ہوگا، میری اس پیشکش کو قبول فرما، تو سننے اور جاننے والا ہے۔''

غرض مال جیسا بھی ہو، وہ حیوانات میں سے ہو یا نباتات میں سے، جمادات میں سے ہو یا معدنیات میں سے، وہ اللہ کا پیدا کردہ ہے، اس پر اللہ ہی کی حقیقی ملکیت ہے۔ وہ صدقہ کی صورت خرچ کیا جائے یا خیرات کی شکل میں، وہ زکوٰۃ کی صورت میں ادا کیا جائے یا نیاز کی

صورت میں دیا جائے، قربانی کی صورت میں دیا جائے یا نذر ماننے اور اسے پوری کرنے کی ہیئت میں پیش کیا جائے ، یہ سب قسمیں اور صورتیں اللہ کے راستے میں مال پیش کرنے کی صورتیں ہیں۔اب چونکہ مالی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، لہٰذا مال خرچ کرنے کی یہ تمام اشکال اور اقسام بھی اللہ ہی کے لیے خاص ہیں۔

ایک قابل غور نکتہ بھی ذہن سے محو نہ ہونے پائے، وہ یہ ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے دوسرا رکن ''نماز'' اور تیسرا ''زکوٰۃ'' ہے۔اسی طرح ''تشہد'' یعنی ''التحیات'' میں بھی بدنی عبادتوں کے ذکر کے بعد مالی عبادتوں کا تذکرہ ہے۔تو یہ مالی عبادت جسے ''زکوٰۃ'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس کا مفہوم اللہ کے راستے میں مقررہ نصاب کے مطابق مال کا خرچ کرنا ہے، مگر اس کا اصل معنی پاکیز گی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مالی عبادت سرانجام دینے سے پورا مال پاک ہو جاتا ہے۔ایسے ہی ''الطیبات'' کا معنی کسی شے کا عمدہ اور نفیس ہونا ہے، مگر اس کا اصطلاحی معنی ''مالی عبادتیں'' ہے یعنی اگر مالی عبادت سرانجام دی جائے تو سارا مال عمدہ، نفیس اور پاکیزہ ہو جاتا ہے۔مگر توجہ کیجیے! اگر مالی عبادت میں کسی غیر کو شامل کر کے شرک کا ارتکاب کیا جائے تو کیا مال پاکیزہ، عمدہ اور نفیس رہ سکتا ہے؟ بالکل نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شرک کی نجاست سے پہلے سے بھی زیادہ ناپاک ہو جائے گا۔

قرآن میں ''الٰہ'' کے معانی داتا، دستگیر، غوث الاعظم، بھی ہیں:

ہماری اب تک کی گفتگو سے دو باتیں سامنے آئیں، ایک یہ کہ عبادت جس کی بھی بجالائی جائے قرآن نے اس کا ذکر ''الٰہ'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی عبادت کی ، یہ دونوں ان کے ''الٰہ'' ٹھہرے۔اسی طرح نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے ولیوں کی عبادت کی تو وہ ان کے ''الٰہ'' ٹھہرے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد اور ان کی قوم کے لوگوں نے لکڑی یا پتھر کی تصاویر ''اصنام'' کی عبادت کی تو وہ ان کے ''الٰہ'' ٹھہرے۔دوسرے بات یہ سامنے آئی کہ زبان ،جسم اور مال سے اللہ کی عبادت بجالائی جاتی

ہے اور ان عبادتوں میں سے جو عبادت بھی کسی پیغمبر، ولی یا بزرگ کے لیے کوئی شخص بھی سرانجام دیتا ہے، وہ درحقیقت اسے ''الٰہ'' کے درجے پر فائز سمجھ رہا ہوتا ہے۔

ہم نے جو قرآنی آیات پیش کی ہیں ان سے پوری طرح یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ مختلف زمانے کے گمراہ لوگ اپنے اپنے بزرگوں کو مشکل کشا، حاجت روا، داتا و دستگیر اور غوث الاعظم خیال کرتے تھے، جبکہ اللہ نے ان کے ان تمام خیالات و اوہام کا رد کیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

یہاں ایک ضروری وضاحت یہ ہے کہ اگر کوئی کہے دستگیر (بمعنی ہاتھ پکڑنے والا) وغیرہ کے الفاظ تو بندوں کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں، مثال کے طور پر اگر کوئی تیراک کسی ڈوبتے کا ہاتھ پکڑ کر اسے کنارے پر لے آئے تو اسے دستگیر کہنے میں کیا حرج ہے؟ تو اس ضمن میں گزارش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری یہ دنیا اسباب کی دنیا بنائی ہے۔ ایک شخص تیراکی کے سبب سے کسی کو کنارے پر لے آیا تو اس تیراک کی کوئی بھی پوجا شروع نہیں کر دیتا اور نہ کوئی اس کی عبادت ہی کرتا ہے، سب کو معلوم ہے کہ یہ دنیا کا نظام اللہ نے اسباب کے تحت بنایا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اسباب کی عدم موجودگی میں ڈوبتے ہوئے کسی فوت شدہ بزرگ یا ہزاروں سینکڑوں کلومیٹر پر بیٹھے ہوئے کسی زندہ بزرگ کو اپنی مدد کے لیے پکارنا شروع کر دے اور اپنی دستگیری کا واویلا کرے تو اسی کا نام شرک ہے۔ کیونکہ اس نے مخلوق کو اسباب سے بلند و بالا ہستی ''الٰہ'' سمجھ کر پکارا۔ چنانچہ آج ہمارے معاشرے کے لوگ جن بزرگوں کو گنج بخش اور داتا و دستگیر وغیرہ کے ناموں سے یاد کر کے ان سے اپنی ضروریات اور حاجات کی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں، بغیر اسباب کے انھیں مافوق الاسباب ہستیاں سمجھ کر ان کو پکارے جا رہے ہیں، تو اسی عمل کا نام ''الٰہ'' بنانا ہے اور اسی چیز کو قرآن نے شرک کہا ہے۔

چنانچہ آیئے! اس ضمن میں ہم اللہ کی آخری کتاب، حق و باطل میں فرق کر دینے والے فرقان حمید سے مزید راہ نمائی حاصل کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ داتا و دستگیر، غوث، گنج بخش

اور مشکل کشا کون سی ہستی ہے؟

اللہ ہی مشکل کشا ہے:

قارئین کرام! یاد کیجیے! وہ لمحات کہ جب حضرت یونس علیہ السلام سمندر میں گھر مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تو ان مشکل لمحات میں انھوں نے اپنے ''الٰہ'' کو پکارا:

فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٧﴾ (الأنبياء:٨٧)

''پھر وہ اندھیروں میں پکار اٹھا کہ تیرے سوا کوئی ''الٰہ'' نہیں، تو پاک ہے، میں ہی قصور واروں میں سے تھا۔''

دیکھیے! یہاں ''الٰہ'' کا لفظ مشکل کشا کے معنوں میں استعمال ہو رہا ہے اور یونس علیہ السلام کی پکار واضح ہے کہ اے اللہ! یہاں تیرے سوا کوئی میرا ''الٰہ'' (مشکل کشائی کرنے والا) نہیں ہے۔ اس آیت نے لا الہ الا اللہ کے اقرار کا مطلب یہ بتلایا ہے کہ اللہ کے علاوہ اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو مشکل کشا نہ سمجھا جائے۔

اللہ ہی بگڑی بنانے والا ہے:

مشرکین مکہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کام کو بگاڑنے کی کوششوں میں مصروف تھے تو اللہ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں راہ نمائی فرمائی:

رَّبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿٩﴾ (المزمل:٩)

''مشرق و مغرب کا رب کہ جس کے علاوہ کوئی ''الٰہ'' نہیں ہے بس تو (اے میرے رسول!) اسی کو اپنا کارساز بنالے۔''

بگڑے کاموں کو درست کرنے کا کام جس کے حوالے کر دیا جائے اسے عربی میں وکیل کہتے ہیں۔ اس کا معنی کارساز یعنی کام بنانے والا ہے۔ دوسرے لفظوں میں بگڑے کاموں کو

سنوارنے والا بھی ہے اور جو بگڑی بنادے اسے قرآن ''الٰہ'' کہہ کر خبردار کر رہا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے اقرار کا مطلب ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو بگڑی بنانے والا، کام سنوارنے والا خیال نہ کیا جائے اور یہ کہ جو مالک اپنے بندوں کے بگڑے کام سنوارنے والا ''الٰہ'' ہے، وہی مشرق و مغرب کا رب (پالنے والا) ہے۔ لہٰذا اپنے اسی رب کے ہو کر رہ جاؤ، یارب! یارب! کہہ کر اپنے کام اپنے پالنے والے رب تعالیٰ ہی کے سپرد کر کے اسی ایک ہی کو ''الٰہ'' مانو۔

اللہ ہی غوث الاعظم ہے:

جس سے فریاد کی جائے اسے غوث (فریاد رس) کہا جاتا ہے اور جو سب سے بڑا فریاد رس ہو، اسے غوث الاعظم کہا جاتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ غوث سمجھ کر جس سے فریاد کی جائے وہی رب ہوتا ہے اور رب ایک ہی ہے، دونہیں ہیں کہ اس ایک رب کے علاوہ کسی اور کو غوث کہتے پھریں۔

اب آیئے...... ذرا ملاحظہ کیجیے کہ ہمارے آخری رسول محمد ﷺ غوث الاعظم سمجھ کر جنگ بدر کے مشکل حالات میں استغاثہ (فریاد) کس سے کر رہے ہیں؟ سنیے!

فرمارہے ہیں:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ (الانفال: 9)

''(اے نبی! وہ وقت یاد کرو) جب تم نے اپنے رب کو غوث مان کر فریاد کی تو اس نے تمھاری فریاد سن کر قبول کی اور پے در پے پہنچنے والے ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ سے تمھاری مدد کا وعدہ فرمایا۔''

چنانچہ یہ مسئلہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو شخص کسی انسان کو غوث الاعظم کا لقب دے رہا ہے، وہ اسے درحقیقت اپنا ''الٰہ'' مان کر رب بنا رہا ہے اور یہی شرک ہے جس کا ارتکاب شیخ عبدالقادر جیلانی کو غوث الاعظم کہہ کر کیا جا رہا ہے۔ ایسے شرک عظیم سے فوراً اللہ کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔

اللہ ہی غریب نواز ہے:

غریب الوطن مسافروں اور تہی دامن فقیروں کو نوازنے والا اللہ ہی ہے۔ ہمارے یہاں لوگوں نے بزرگوں کو غریب نواز مشہور کر رکھا ہے مگر جناب موسیٰ علیہ السلام جیسے غریب الوطن مسافر کو غربت وفقیری میں نوازنے والا کون ہے؟ اور موسیٰ علیہ السلام کس طرح اپنے رب کو غریب نواز سمجھ کر اس کے حضور فریاد کناں ہیں، ذرا ملاحظہ تو فرمایے:

رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٢٤﴾ (القصص: ٢٤)

''میرے رب! اس وقت آپ جس خیر سے بھی مجھے نوازیں' میں اس کا فقیر (محتاج) ہوں۔''

اب دیکھیے! اللہ نے کیسے نوازا، مصر میں فرعونی حکومت سے راہ فرار اختیار کرنے والے مسافر موسیٰ علیہ السلام شہر میں پہنچے تو حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی بکریوں کو پانی پلا کر ایک درخت کے سائے میں جا بیٹھے اور جب اپنی غریب الوطنی کا خیال آیا کہ پیچھے ظالم فرعونی حکومت اور آگے کوئی ٹھکانا دکھلائی نہیں دیتا تو اللہ سے ہر قسم کی خیر مانگنے کی فریاد کی۔ ادھر اللہ نے یوں نوازا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پیغمبر شعیب علیہ السلام کے گھر کا مہمان بنا دیا۔ پھر وہی گھر ان کا ٹھکانا بنا دیا اور پھر اسی معزز گھرانے کا موسیٰ علیہ السلام کو داماد بنا دیا۔ جب میاں بیوی کئی سالوں کے بعد مصر واپس جانے لگے تو راستے میں سفر ہی کی حالت میں طور سینا کے پاس انھیں تاج نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا۔ ایسے غریب نواز کو کہتے ہیں رب اور وہی رب ''حقیقی الہ'' ہے اور وہ تو اپنے سب بندوں کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ﴿١٥﴾ (فاطر: ١٥)

''لوگو! تم سب اللہ ہی کے فقیر اور منگتے ہو۔''

اللہ ہی داتا ہے:

اب اگر بندے ہی کسی اور دوارے کے منگتے بن کر انسانوں کو داتا مانتے اور کہتے پھریں تو پھر اس سے بڑھ کر ایسے بندوں کی اور کیا بدقسمتی ہو سکتی ہے۔ جبکہ اللہ نے اپنے بندوں کو اپنے قرآن میں جو دعا سکھلائی تو یہ کہ وہ اللہ کو داتا مانیں، کسی اور کو داتا وغیرہ نہ کہہ کر...... اپنے عقیدے کی اصلاح کی توفیق مانگتے رہا کریں۔ قرآنی دعا ملاحظہ کیجیے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿٨﴾ (آل عمران:٨)

''اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ڈانواں ڈول نہ ہونے دینا اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما، بے شک آپ ہی تو داتا ہیں۔''

ملاحظہ کیجیے کہ کس طرح اللہ اپنے بندوں کی دعا اور دلی پکار کو قرآن کا حصہ بنا رہے ہیں کہ گمراہی (شرک) سے نکل کر کلمہ ہدایت ''لا الہ الا اللہ'' کے اقرار کے ساتھ کہ بلاشبہ آپ ہی تو داتا ہیں۔ اب وہ لوگ اپنے ایمان کی فکر کریں جو اللہ کے علاوہ یا اللہ کے ساتھ شیخ علی ہجویری یا کسی اور بزرگ کو داتا سمجھتے اور کہتے پھرتے ہیں اور یہ کہ ان کے ایمان اور ان کے دل کس حالت میں ہیں؟

اللہ ہی گنج بخش ہے:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ ﴿٥٠﴾ (الانعام:٥٠)

''میرے رسول (ﷺ)! کہو! میں تمھیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔''

یعنی ایسا کوئی دعویٰ نہیں ہے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور یہ کہ وہ خزانے میں

تمھیں بخش دوں ۔ اب جب اللہ کے رسول ﷺ خزانے بخشنے والے ''گنج بخش'' نہیں ہیں تو غور فرمایے! علی ہجویری یا ان جیسے دیگر بزرگ کیسے خزانے بخشنے والے ''گنج بخش'' ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا اللہ ہی گنج بخش ہے، بندہ کچھ نہیں ہے۔

اللہ ہی دستگیر ہے:

انسان دریا یا سمندر میں ڈوب رہا ہو اور کوئی غیبی قوت، ما فوق الاسباب اور مافوق الادراک ہستی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کنارے لگا دے تو اسے دستگیر یعنی پکڑنے والا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص کسی سے خوف زدہ ہو، انسان یا جن اسے نقصان پہنچانے کے درپے ہوں...... وہ مشکلات میں پھنسا ہوا ہو...... کسی مصیبت میں گھرا ہوا ہو...... اس دوران کوئی ہستی اسی کی ایسی دستگیری کرے، مدد کرتے ہوئے اس کا ایسا ہاتھ پکڑے، اس کو اس انداز سے اپنی پناہ میں لے کہ پھر کسی کو بھی اسے نقصان پہنچانے کی جرأت نہ ہو اور تمام مشکلات سے وہ محفوظ و مامون ہو جائے، تو ایسی دستگیری کرنے والا دستگیر، ایسی پناہ گاہ مہیا کرنے والا شہنشاہ اللہ ہی تو ہے۔ وہ اللہ، وہ ہمارا رب ہمیں آخری پیغمبر ﷺ کی زبانی قرآن کا یہ آخری پیغام دے رہا ہے:

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلنَّاسِ ﴿١﴾ مَلِكِ ٱلنَّاسِ ﴿٢﴾ إِلَٰهِ ٱلنَّاسِ ﴿٣﴾ (الناس: ۱ تا ۳)

''(میرے رسول (ﷺ)!) کہہ دیجیے کہ میں سب انسانوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، جو سب لوگوں کا بادشاہ ہے، تمام لوگوں کا ''الٰہ'' ہے۔

اب ہمارے پیارے رسول ﷺ زندگی گزاریں تو اللہ کی پناہ اور اسی کی دستگیری میں گزاریں، مگر ان کی محبت کے لمبے چوڑے دعوے کرنے والے امام الانبیاء ﷺ کے اسوہ کے برعکس اپنے جیسے انسانوں کو دستگیر بناتے پھریں، تو پھر کیا انھیں اس بات پر غور نہیں کرنا چاہیے کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ آخر ان کا تعلق کیسا ہے؟ جب کہ اس سورت میں یہ بات واضح ہے

کہ جو لوگوں کا ''الٰہ'' ہے بادشاہ ہے، وہی سب لوگوں کا رب اور دستگیری کرنے والا ہے۔

یہاں لا الٰہ الا اللہ کا مطلب یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ کے علاوہ ہمیں کوئی پناہ دینے والا اور ہماری دستگیری کرنے والا دستگیر کوئی نہیں ہے۔

بزرگوں کو القابات کس نے دیے؟:

یہ بات قرآن نے واضح کر دی کہ ہم سب کا ''الٰہ'' وہی اللہ ہے جو ساری کائنات کا رب ہے اور داتا، دستگیر، گنج بخش، مشکل کشا، حاجت روا، بگڑے کام سنوارنے والا، غریبوں اور فقیروں کو نوازنے والا اور غوث الاعظم صرف اللہ ہی ہے۔

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ یہ القابات جو یار لوگوں نے بزرگوں کو دے رکھے ہیں، یہ ان کی اپنی ایجاد ہے۔ اللہ نے ایسا کوئی لقب کسی انسان کو بالکل نہیں دیا۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قوم کو انتباہ کرتے ہوئے کہا:

مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِۦٓ إِلَّآ أَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوهَآ أَنتُمْ وَءَابَآؤُكُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَٰنٍ (یوسف: ۴۰)

''اللہ کے علاوہ تم جن ہستیوں کی عبادت کر رہے ہو، یہ تو محض نام (القابات) ہی ہیں جنھیں تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ چھوڑا ہے، جب کہ اللہ نے ایسی کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔''

لوگو! سن لو! اللہ نے بزرگوں کے لیے ایسی کوئی دستاویز نہیں اتاری جس میں انھیں غوث، قطب، قلندر، داتا و دستگیر وغیرہ کے القابات دیے ہوں ۔ یہ تو گمراہ لوگوں کا اپنا کارنامہ ہے جو لامحالہ سارے کا سارا شرک اور اللہ کی گستاخی پر مبنی ہے۔

لا الٰہ الا اللہ کا تقاضا:

اب لاالٰہ الا اللہ کا تقاضا ہے کہ یہ ''الٰہ'' (بزرگ) جنہیں لوگوں نے خدائی القابات دے کر اور ان سے اللہ کی الوہیت والے عقائد اور نظریات وابستہ کر لیے ہیں، ان سے توبہ کی جائے اور انھیں ''الٰہ'' یعنی داتا و دستگیر اور غوث الاعظم وغیرہ ماننے سے انکار کر دیا جائے۔ ان بزرگوں کی جس انداز سے بندگی اور عبادت ہو رہی ہے اسے ترک کر دیا جائے اور بزرگوں کے ان درباروں اور آستانوں کو خیر باد کہہ دیا جائے۔ یہ ہے ''لا الٰہ الا اللہ'' کا تقاضا اور مطالبہ۔ یہی وہ مطالبہ ہے جو حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کیا تھا، مگر انھوں نے اس مطالبے کو ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا:

قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾ إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ (هود:٥٣، ٥٤)

''انھوں نے کہا:'' اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی دلیل تو نہیں لایا اور ہم اپنے ''الٰہ'' بزرگوں کو محض تیرے کہنے پر نہیں چھوڑیں گے اور نہ ہم تیری بات ہی ماننے والے ہیں۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ ہمارے ولیوں میں سے کسی کی مار تجھ پر پڑ گئی ہے۔'' حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا: ''اچھا میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اس شرک سے جو تم کر رہے ہو، بے زار ہوں۔''

کون ہے جو لا الٰہ الا اللہ کے تقاضوں پر لبیک کہے؟:

قارئین کرام! اب لا الٰہ الا اللہ کے قرآنی تقاضے اور مطالبے جو آپ نے ملاحظہ کیے، ان کا آپ کو جواب دینا ہے۔ مگر یاد رہے، خاتم الانبیاء ﷺ کی امت کہلانے والوں کا جواب

اس طرح کا نہیں ہونا چاہیے جس طرح کا جواب ہود علیہ السلام کی امت کے لوگوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو دیا تھا اور نہ وہ جواب ہونا چاہیے جو ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ نے دیا تھا اور اس جواب کی پاداش میں جب وہ جہنم میں جل رہے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں ان کا جواب یاد دلاتے ہوئے فرمائیں گے:

إِنَّهُمْ كَانُوٓا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوٓا ءَالِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ۝ (الصافات: ۳۵-۳۶)

''ان لوگوں سے جب کہا جاتا تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو تو اکڑ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے ''الٰہ'' (بزرگوں) کو چھوڑ دیں؟''

یہ لوگ جو لا الٰہ الا اللہ کا انکار کر رہے ہیں، یہ اللہ کو مانتے تھے، اسے آسمانوں اور زمین کا خالق تسلیم کرتے تھے۔ قرآن مجید نے ان کے اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرنے کی خبریوں دی ہے:

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ ٱللَّهُ ۝ (لقمان: ۲۵)

''(میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے: ''اللہ نے۔''

قرآن نے ہمیں یہ بتا دیا کہ مشرکین مکہ اللہ کو مانتے تھے، اسے ہر شے کا خالق تسلیم کرتے تھے مگر وہ اپنے ''الٰہ'' بزرگوں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے جب کہ لا الٰہ الا اللہ کا تقاضا یہی تھا، اللہ کو ماننے کا صحیح معنوں میں حق تبھی ادا ہوگا کہ انھیں چھوڑا جائے، چنانچہ اس کلمۂ توحید کے تقاضوں کو جاننے کی وجہ سے انھیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ کلمہ محض زبان کا اقرار نہیں بلکہ اس کا اقرار کرتے ہی اپنے کردار سے ان بزرگوں کو چھوڑنا پڑے گا اور اس کے لیے وہ تیار نہ تھے۔ چنانچہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرنے والو! لا الٰہ الا اللہ کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ اپنے کردار سے ان تمام ''الٰہ'' بزرگوں اور پیروں کو جنھیں اللہ کا شریک اور مدمقابل بنا دیا گیا ہے، انھیں فوراً چھوڑ دو۔

الوہیت کے اختیارات کا دعویٰ کرنے والے کی سزا:

پیغمبر، فرشتے اور نیک لوگوں کو جنھیں لوگوں نے ''الٰہ'' بنا رکھا ہے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ کے حضور اپنے گمراہ عبادت گزاروں سے بے زاری کا اعلان کریں گے اور اللہ کے حضور اپنی صفائی پیش کر کے سرخرو ہو جائیں گے۔ مگر وہ لوگ کہ جنھیں خود ''الٰہ'' بننے کا شوق تھا، وہ اپنے درباروں اور آستانوں کی تعمیر و ترقی کا خود آپ بندوبست کر گئے تا کہ انھیں پوجا جاتا رہے یعنی ان کے مرنے کے بعد ان کی پوجا پاٹ جاری و ساری رہے۔

اور وہ کہ جو ان آستانوں پر گدی نشین بن کر بیٹھے ہیں اور لوگ انھیں اپنا حاجت روا، مشکل کشا اور کرنی والا پیر سمجھے ہوئے ہیں اور پیر صاحبان اپنے ماننے والے مریدوں کے ایسے عقائد کی بنا پر خوش ہیں کہ اس طرح وہ ان کی نذروں اور نیازوں پر خوب گل چھرے اڑا رہے ہیں اور نسل در نسل ان کا یہ منفعت بخش کاروبار مختلف من گھڑت سلسلوں نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ وغیرہ کے ناموں سے جاری ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں چاہے وہ کوئی بھی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٢٩﴾ (الانبیاء:۲۹)

''اور ان میں سے جو کوئی یہ کہے کہ اللہ کے علاوہ میں ''الٰہ'' ہوں تو ایسے شخص کو ہم جہنم کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔''

یاد رہے خود ''الٰہ'' بننے کا اعلان نہ عیسائیوں کے پادری کرتے تھے، نہ مکے کے مشرک مگر اس کے باوجود اللہ نے عیسائیوں سے کہا کہ انھوں نے اپنے ان پادریوں، صوفیوں وغیرہ کو اپنا رب بنا لیا تھا۔ دراصل ان کا جو کردار تھا وہ اپنے آپ کو رب بنانے والا تھا اور ان کا جو طرز عمل تھا وہ اپنے آپ کو ''الٰہ'' بنانے ہی کا اعلان تھا۔ چنانچہ آج بھی جن لوگوں کا طرز عمل اور کردار ان لوگوں جیسا ہے وہ اپنے آپ کو ''الٰہ'' بنانے کا ہی اعلان کر رہے ہیں۔ جب کہ

قرآن حکیم واضح طور پر اللہ کے علاوہ یا اس کے ساتھ کسی کے ''الٰہ'' بنانے یا خود بننے کی سزا جہنم بتلا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رحمت للعالمین ﷺ نے اپنی امت کو ایسے طرز عمل سے خبردار کرتے ہوئے قرآن کے الفاظ میں یوں تلقین فرمائی:

فَفِرُّوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۖ إِنِّى لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥٠﴾ وَلَا تَجْعَلُوا۟ مَعَ ٱللَّهِ إِلَـٰهًا ءَاخَرَ ۖ إِنِّى لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥١﴾ (الذاریات: ۵۰-۵۱)

''پس بھاگو اللہ کی طرف، بے شک میں تمھیں اللہ کی طرف سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو ''الٰہ'' مت بناؤ۔ بے شک میں تم لوگوں کو اللہ کی جانب سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔''

لوگو! دستگیری کے لیے، پناہ ڈھونڈنے کے لیے، حاجت روائی کے لیے، حصول اولاد کے لیے، بیماری سے شفا طلبی کے لیے اور اپنی دیگر حاجات وضروریات کے لیے انسانی الٰہ یعنی بزرگوں کے درباروں اور آستانوں کی طرف مت بھاگو۔ بھاگنا ہے تو ان مقاصد کے لیے اللہ کی طرف بھاگو، اس کی پناہ میں آؤ اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو، وہ نبی ہو یا ولی، آستانے والا ہو یا خانقاہ والا، اسے اللہ کے ساتھ الٰہ یعنی داتا و دستگیر اور غوث وغیرہ مت بناؤ، اللہ کے رسول ﷺ تمھیں اس سے ڈرا رہے ہیں، خبردار کر رہے ہیں اور انتباہ کر رہے ہیں۔ اگر تم نے اس انتباہ پر، اس وارننگ پر کان نہ دھرا تو پھر ایسے غافل لوگ قرآن میں اپنا یہ انجام دیکھ لیں:

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ ٱللَّهِ إِلَـٰهًا ءَاخَرَ فَتُلْقَىٰ فِى جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا ﴿٣٩﴾

(بنی اسرائیل: ۳۹)

''اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو ''الٰہ'' مت بنا، وگرنہ تو ملامت زدہ ہو کر اور دھتکارا ہوا بن کر جہنم میں جا پڑے گا۔''

حضرات! آخر ایسی کون سی مصیبت ہے کہ ان بزرگوں کو بہر صورت اللہ کے ساتھ ''الٰہ'' مان کر جہنم میں ذلیل و رسوا ہوا جائے۔ چنانچہ بابانگ دہل یہ اعلان کر دینا چاہیے کہ ہم

آسمانوں اور زمین پر اللہ ہی کو اپنا ''الہٰ'' مانتے ہیں۔ زمین پر بھی ہمارا کرنی والا وہی ہے اور آسمان پر موت کے بعد ہمارے کام آئے گا تو وہ اللہ ہی کام آئے گا۔ دونوں جگہ وہ ''الہٰ'' ہے، دنیاوی اور اخروی مشکلات حل کرنے والا وہی ہے۔ دنیا میں ہمارا فریاد رس اور قیامت کے کڑے وقت میں ہماری فریاد کو پہنچنے والا وہی ہمارا غوث الاعظم ہے۔ زمین پر ہمیں دنیاوی نعمتیں دینے والا اور آسمانوں میں ہمیں جنت کی نعمتوں سے مالا مال کرنے والا ہمارا داتا وہی ہے۔ زمین پر مصائب سے پناہ دینے والا ہمارا وہی دستگیر ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾ (الزخرف:٨٤)

''اور وہی اللہ جو کہ آسمانوں میں ''الہٰ'' ہے اور زمین پر ''الہٰ'' ہے اور وہی حکمت والا، جاننے والا ہے۔''

یہ تھا ''الہٰ'' کا معنی و مفہوم جو ہم نے قرآن کی روشنی میں آپ کے سامنے بیان کیا اور اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ''الہٰ'' صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اے انسان! اپنے پروردگار کو پہچان:

''الہٰ'' کی تشریح سے جہاں بناوٹی ''الہٰوں'' کی حقیقت کھل کر سامنے آئی وہاں حقیقی ''الہٰ'' کی قدرتوں اور اس کی صفات سے خوب پتا چل گیا کہ وہ کون ہے۔ تاہم چونکہ ''لا الہٰ'' کے بعد ''الا اللہ'' پر غور کرتے ہوئے جب ہم نے لفظ ''اللہ'' کو قرآن میں ڈھونڈا تو ایک محتاط گنتی کے مطابق ستائیس سو انتیس (۲۷۲۹) مرتبہ خالق کائنات کے اس ذاتی نام ''اللہ'' کو قرآن کی مختلف آیات میں پایا۔ ان آیات میں سے چند ایک آیات ہم نے منتخب کی ہیں، ملاحظہ کیجیے اور اپنے خالق و مالک رب تعالیٰ کو پہچانیے:

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ﴿٢٥٥﴾ (البقرۃ:٢٥٥)

''اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی ''الہٰ'' نہیں ہے، وہ از خود زندہ اور تمام

کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔“

اکیسویں پارے میں اللہ نے اپنے بندوں کو اپنی پہچان اس طرح کرائی:

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ هَلْ مِن شُرَكَائِكُم مَّن يَفْعَلُ مِن ذَٰلِكُم مِّن شَيْءٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٠﴾ (الروم: ٤٠)

”اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تمھیں رزق دیا، پھر وہ تمھیں موت دیتا ہے، پھر وہ تمھیں زندہ کرے گا۔ کیا تمھارے بنائے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے؟ پاک ہے وہ (اللہ) اور بہت بالا و برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔“

سورۃ الانعام میں دیکھیے کہ تمھارا رب کون ہے؟:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٠٢﴾ (الانعام: ١٠١-١٠٢)

”اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمھارا رب، کوئی ”الٰہ“ اس کے سوا نہیں ہے، ہر چیز کا خالق ہے، لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔“

لوگو! اللہ نے تمھیں کس طرح پیدا کیا اور ہر مرحلے پر تمھاری کس کس طرح نگہبانی اور پرورش کو ملحوظ خاطر رکھا، ذرا دیکھو تو سہی اپنے رب اور اپنے مالک کی مہربانیاں:

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴿٦﴾ (الزمر: ٦)

''وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین اندھیرے پردوں کے اندر ایک کے بعد ایک شکل دیتا ہے، یہی اللہ (جو یہ کام کرتا ہے) وہی تمھارا رب ہے، اسی کی بادشاہی ہے، کوئی الٰہ اس کے سوا نہیں ہے، پھر تم کہاں سے پھیرے جاتے ہو؟''

اللہ تعالیٰ اپنے احسانات گنوا کر فرماتا ہے کہ یہ ہے تمھارا پروردگار، مگر آخر پھر تمھیں اللہ سے ہٹا کر غیروں کے دروازوں کی خاک چھاننے پر کون لگاتا ہے؟ یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اللہ کے احسانات بھلا کر بندوں کے بہکاوے میں آکر اپنے جیسے انسانوں کے درباروں کی مٹی چاٹتے پھرتے ہو اور محض رزق وغیرہ کے لیے اپنا ایمان برباد کرتے پھر رہے ہو۔ حالانکہ جس رب نے تمھیں ماں کے پیٹ، رحم اور جھلی کے تین اندھیروں میں رزق فراہم کیا، وہ بھلا اس دنیا میں تمھیں رزق سے محروم رکھے گا؟ ذرا آنکھ کھول کر دیکھ تو سہی، اس دنیا کو تیرے پروردگار نے تیرے لیے کس طرح بنایا، سنوارا اور تجھے بھی سنوارا اور تیرے لیے عمدہ رزق کا بھی بندوبست فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(المؤمن:٦٤)

''وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا اور آسمان کو چھت بنا دیا اور تمھاری صورتیں بنائیں تو کیسی حسین بنائیں اور تمھیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ (جس کے یہ احسانات ہیں) وہی اللہ تمھارا رب ہے۔ پس وہ بڑی برکتوں والا ہے، سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔''

لوگو! جس کسی نے اس اللہ کو اپنا رب اور ''الٰہ'' مان لیا اور اپنے معبود حقیقی سے واقف ہو

گیا اسے اس کا مالک کافی ہے، کسی اور کی اسے ضرورت نہیں ہے اور یہی بات اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کے بارے میں محبت کے پیرائے میں یوں بیان فرماتا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَسْبُكَ ٱللَّهُ وَمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾
(الانفال: ٦٤)

''اے میرے نبی! تمھارے لیے اور تمھاری پیروی کرنے والے مومنوں کے لیے تو بس اللہ ہی کافی ہے۔''

ہاں! وہ اللہ کافی ہے جو:

فَتَعَٰلَى ٱللَّهُ ٱلْمَلِكُ ٱلْحَقُّ ۖ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ ٱلْعَرْشِ ٱلْكَرِيمِ ﴿١١٦﴾
(المؤمنون: ١١٦)

''بہت ہی بلند و بالا ہے، اللہ سچا بادشاہ ہے، اس کے علاوہ کوئی ''الٰہ'' نہیں ہے' وہ عزت والے عرش کا مالک ہے۔''

جنت کی چابی لا الٰہ الا اللہ:

بخاری شریف کی روایت کے مطابق لا الٰہ الا اللہ کو اللہ کے رسول ﷺ نے کلمۂ ایمان کہا ہے۔ تو اس کلمۂ ایمان کے جو تقاضے قرآن نے کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں، ان تقاضوں کو جانتے ہوئے جو شخص یہ کلمۂ ایمان پڑھ لے اور اس پر اپنی عملی زندگی میں ڈٹ جائے تو وہ جنت کا وارث بن جاتا ہے بشرطیکہ وہ ڈٹ جائے، جیسا کہ سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی کہ مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات بتلائیں کہ آپ ﷺ کے بعد میں کسی سے نہ پوچھوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((قُلُ اٰمَنتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسُتَقِمُ))

(صحيح مسلم ، كتاب الايمان، باب جامع اوصاف الاسلام:٣٨)

''کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر ڈٹ جاؤ۔''

یاد رہے وہی شخص استقامت اختیار کرسکتا ہے جس نے اس کلمہ کو علم اور بصیرت کے ساتھ آنکھیں کھول کر پڑھا ہو۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ))

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، الدلیل علی من مات علی التوحید دخل الجنة قطعاً:٢٦)

''جو کوئی مرا اس حال میں کہ وہ لا الہ الا اللہ کو جانتا تھا، وہ جنت میں داخل ہو گیا۔''

ایسا شخص بھلا جنت میں کیوں داخل نہ ہو گا کہ جس کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی خوشخبری موجود ہے۔ مگر شرط یہی ہے کہ اس کے پاس کلمۂ ایمان اپنے مکمل تقاضوں کے ساتھ موجود ہو۔ مکمل تقاضوں اور اپنے تمام مطالبات سمیت یہ کلمہ موجود ہو گا تو یقیناً وہ جنت میں داخل ہو جائے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذٰلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ))

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی من مات لا یشرك باللّٰه شیئا دخل الجنة......الخ : ٩٤)

''جس بندے نے بھی لا الہ الا اللہ پڑھا پھر اس پر مر گیا وہ جنت میں داخل ہو گا۔''

چنانچہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق وہب بن منبہ سے یہ کہا گیا:

کیا ''لا الہ الا اللہ'' جنت کی چابیاں نہیں ہیں؟'' تو انھوں نے کہا: ''کیوں نہیں! مگر بات یہ ہے کہ کوئی چابی ایسی نہیں ہوتی جس کے دندانے نہ ہوں اور اگر تو دندانوں والی چابی کے ساتھ آئے گا تو تیرے لیے (جنت کے دروازے) کھول دیے جائیں گے۔''

(صحیح بخاری ، کتاب الجنائز، باب من کان آخر کلامه لا اله الا الله تعلیقا)

اب یہ دندانے ''لا الہ الا اللہ'' کے قرآنی تقاضوں کے مطابق شرک سے پاک وہ اعمال ہیں جو اللہ کے فرامین اور اس کے رسول ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں۔

اے اللہ ! تمام مسلمانوں کو لا الہٰ الا اللہ کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔
(آمین!)

باب نمبر۶

نولکھ ہزاری کے مجاور کی کہانی

(شرک کی دلدل اور سیم و زر کی دنیا میں پھنسے ایک گدی نشین کی دلچسپ اور حیران کن آپ بیتی)

شاہ کوٹ شہر کے مغربی جانب ایک پرانی آبادی ہے۔ یہ آبادی اب شہر کا حصہ بن چکی ہے۔اس آبادی کو مجاوروں کی بستی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں بابا شاہ نولکھ ہزاری کے نام سے ایک مزار ہے جن کے بارے میں مشہور ہے کہ ''انھوں نے ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر نولکھ ہزار مرتبہ قرآن پڑھا تھا۔'' اس دربار کی آمدنی کے چوتھائی حصہ کے پتی دار (حصہ دار) عبدالرحمٰن مجاور کو نہ جانے کیا خیال آیا کہ وہ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوا۔ وہاں (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں) جب اس نے اپنے عقائد اور پاکستان کی مذہبی صورت حال کے بالکل برعکس ایک نیا ماحول دیکھا تو وہ حق کی تحقیق میں لگ گیا۔ پھر رو رو کر راہ ہدایت کے لیے بیت اللہ میں دعائیں مانگنے لگا ...... اور جب وہ پاکستان لوٹا تو وہ عبدالرحمٰن مجاور کی بجائے حاجی عبدالرحمٰن موحد بن چکا تھا۔ پھر شاہ کوٹ کہ جہاں اہل توحید برائے نام ہی تھے اور وہ قصبہ جو بابا شاہ کے نام سے شاہ کوٹ تھا، اس کے پڑوس میں توحید کوٹ کا ڈنکا کیسے بجا؟ اور آج وہاں کیا صورت حال ہے؟ یہ عبدالرحمٰن موحد کی زبانی سنیے۔

نولکھ ہزاری کا مفہوم:

اپنے بزرگوں سے سنتے چلے آئے ہیں کہ حضرت ابوالخیر نولکھ ہزاری کو ان کے مرشد نے قرآن کی ایک آیت کا وظیفہ بتلایا اور کہا کہ یہ وظیفہ نولاکھ ہزار مرتبہ پڑھنا ہے۔ ہمارے حضرت کو وہ آیت بھول گئی، اب سوچا کیا کیا جائے؟ چنانچہ انھوں نے ایک ٹانگ پر پانی میں کھڑے ہو کر نو لاکھ ہزار دفعہ پورا قرآن پڑھ ڈالا!! اور یوں اس کرامت کی بنا پر وہ نولکھ ہزاری کے نام سے معروف ہوگئے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ انھوں نے ساری عمر نکاح نہیں کیا اور عورت کا چہرہ تک نہیں دیکھا۔ حضرت کی بزرگی اور پارسائی ظاہر کرنے کے لیے یہ بات ہم لوگ مریدوں کو بتلایا کرتے تھے مگر اب جب قرآن وحدیث کی روشنی سے ہمارا سینہ روشن ہوا تو پتا چلا کہ یہ تو رہبانیت ہے اور ہمارے رسول ﷺ کی تعلیم تو اس کے برعکس ہے۔

جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

« مَرَّ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَعْبٍ فِيْهِ عُيَيْنَةٌ مِنْ مَاءٍ عَذْبَةٌ فَأَعْجَبَتْهُ لِطِيْبِهَا فَقَالَ لَوِاعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَاَقَمْتُ فِيْ هٰذِهِ الشِّعْبِ وَ لَنْ اَفْعَلَ حَتّٰى اَسْتَأْذِنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَا تَفْعَلْ فَإِنَّ مُقَامَ أَحَدِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهِ فِيْ بَيْتِهِ سَبْعِيْنَ عَامًا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ لَكُمْ وَ يُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ؟ اُغْزُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ »

(ترمذی، ابواب فضائل الجهاد، باب فی الغدوة والرواح فی سبيل الله: ١٦٥٠)

’’ایک صحابی رسول ایک گھاٹی میں سے گزرے جہاں میٹھے پانی کا چشمہ تھا، انھیں وہ جگہ بہت پسند آئی۔ اس نے دل میں کہا: ’’اگر میں لوگوں سے الگ تھلگ اس وادی میں ڈیرہ لگا لوں (رہبانیت اختیار کرلوں تو کیسا اچھا ہو!) لیکن میں یہ کام

رسول اللہ ﷺ سے اجازت لیے بغیر نہیں کروں گا۔'' تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا اللہ کی راہ میں (جہاد میں) کھڑے ہونا اپنے گھر میں بیٹھ کر ۷۰ سال نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمھیں بخش دے اور جنت میں داخل کر دے؟ اللہ کی راہ میں لڑائی کرو، جس نے اونٹنی کا دودھ دوہنے میں جتنا وقت لگتا ہے اتنا وقت اللہ کی راہ میں (قتال) لڑائی کی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔''

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔ معلوم ہوا اسلام میں رہبانیت قتال فی سبیل اللہ ہے۔

یہ تو عیسائیوں کا طریقہ ہے کہ ان کے ہاں وہ شخص بہت بڑا ولی اور وہ عورت بہت بڑی ولیہ شمار ہوتی ہے جو مجرد زندگی گزاریں جبکہ ہمارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

((اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ لَّمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ))

(ابن ماجه، كتاب النكاح ، باب ما جاء فى فضل النكاح : ١٨٤٦ ـ علامه محمد ناصر الدين البانى رحمه الله نے اس حديث كو صحيح قرار ديا هے۔ سلسلة الاحاديث الصحيحه : ٢٣٨٣)

''نکاح کرنا میری سنت ہے اور جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔''

اور ہم ہیں کہ اپنے بزرگ کی نکاح کے بغیر زندگی کو بزرگی ظاہر کر کے گویا ان کا تعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے توڑ رہے ہیں اور انھیں اسلام اور امت سے خارج کر رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی عظیم سنتوں کی گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

تعارف:

نولکھ ہزاری کا دربار جس کا کبھی میں مجاور ہوا کرتا تھا، شاہ کوٹ کی پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ صاحب مزار کی کرامتوں کے چرچے پورے پنجاب میں مشہور ہیں۔ یہ دربار اس

وقت سے ہے جب یہاں جنگلات ہوا کرتے تھے۔اسی وقت سے جنگلی قوم کے چار قبیلے اس کی گدی کے وارث چلے آرہے ہیں۔ وہ چار قبیلے بھٹی، راٹھور، کھوکھر اور طور قوموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کی پیری مریدی دریائے راوی اور چناب کے درمیان دور تک پھیلی ہوئی ہے۔

میرا تعلق طور قبیلے سے ہے اور میں دربار پر اپنے قبیلے کا نمائندہ مجاور تھا۔ ہم مجاوروں نے اپنے اپنے مریدوں کے علاقے تقسیم کر رکھے تھے، جہاں سال میں ایک دو دفعہ گشت لگا کر ہم نیازیں وصول کیا کرتے تھے۔ میرا علاقہ جڑانوالہ سے لے کر سید والا تک کا تھا۔

ایک دلخراش واقعہ:

ایک دفعہ ہم مریدوں سے سالانہ نیاز وصول کرنے ایک گاؤں میں، اپنے ایک مرید کے پاس پہنچے، مرید نے اپنی ہمت سے بڑھ کر خوب مہمان نوازی کی، نذر و نیاز بھی پیش کی۔ ہمارے ایک ساتھی مجاور نے مرید سے کہا: ''ہمیں یہ چند مینڈھے بھی چاہییں۔'' مرید کی بھیڑ بکریاں بیماری کی وجہ سے اس سال کافی تعداد میں مر چکی تھیں ۔ چنانچہ اس نے کچھ پس وپیش کی، ہمارے ساتھی پیر صاحب کو غصہ آ گیا۔ وہ رات کے وقت اٹھا اور اپنے مرید کی حویلی میں پہنچ گیا، جہاں بھیڑ بکریاں بندھی ہوئی تھیں، پیر صاحب بڑے طاقتور تھے، انھوں نے دو تین بھیڑوں کو گردن توڑ کر جان سے مار دیا اور واپس آ کر اپنے بستر پر دراز ہو گئے۔ صبح ہوئی، مرید نے اپنی بھیڑیں مری ہوئی دیکھیں تو فوراً آ کر پیر صاحب کے پاؤں پڑ گیا اور کہنے لگا: ''حضرت! مجھ سے غلطی ہوگئی، یہ سارا گھر آپ کا ہے، جو جی چاہے آپ لے جائیں۔'' چنانچہ پیر کی نیاز پکی ہوگئی اور مرید کا عقیدہ پیر پر پہلے سے زیادہ پختہ ہو گیا۔

آج بھی یہ واقعہ جب کبھی مجھے یاد آتا ہے تو پیری مریدی کے روپ میں تمام ظلم میری نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں اور دل خون کے آنسو روتا ہے اور پکار اٹھتا ہے: ''اے اللہ کریم! تیری مخلوق کی اس ظلم سے جان کب چھوٹے گی؟''

سرکار کے حالات زندگی اور چند کرامتیں:

ماسوائے سنی سنائی باتوں اور کہاوتوں کے اس بزرگ کے حالات کا کچھ علم نہیں ہو سکا۔ آج تک کسی مصنف یا مؤرخ نے ان کے نام تک کا ذکر نہیں کیا۔ زمانے کا بھی کوئی علم نہیں کہ یہ کب پیدا ہوئے، کہاں سے آئے، کون تھے اور ان کا عقیدہ کیا تھا......؟ کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں۔ یہ ہیں ان کی زندگی کے حالات۔

اب آتے ہیں کرامتوں کی طرف، تو پہلے جنگلی وقت میں جب کہ بارہ بارہ میل تک دوران سفر پینے کا پانی دستیاب نہیں ہوتا تھا، نلکوں کا وجود تک نہ تھا، کنویں ہی ہوا کرتے تھے، اس زمانے میں شاہ کوٹ میں بھی کنویں ہی ہوا کرتے تھے۔ یہ مغلیہ دور کا زمانہ تھا۔ شاہ کوٹ کا علاقہ نشیبی تھا، اس لیے بارش کا پانی یہاں سال بھر جمع رہا کرتا تھا۔ چنانچہ لوگ اپنے مویشیوں سمیت یہاں آ کر کئی ماہ گزار دیتے تھے۔ اس پانی کے بارے میں ہمارے مجاوروں نے ''نولکھ ہزاری ڈنڈا'' کے نام سے ایک کہانی مشہور کر رکھی تھی۔

نولکھ ہزاری ڈنڈا:

اس پانی پر ایک برہمن کا قبضہ تھا، وہ پانی لینے والے سے ایک ٹکہ وصول کیا کرتا تھا۔ پیر صاحب یہاں آئے تو انھوں نے برہمن کو پیسے لینے سے روکا۔ ہندو برہمن نے کہا: ''اپنی بزرگی دکھاؤ یا پھر میری بزرگی دیکھو۔'' پیر نے کہا: ''پہلے تو دکھا۔'' چنانچہ برہمن نے لکڑی کے بنے ہوئے دو جوتوں، جن کو ''کھڑاؤں'' کہا جاتا ہے، کو حکم دیا: ''آسمان کی طرف چڑھ جاؤ۔'' وہ آسمانوں کی طرف اڑ گئیں۔ تب حضرت ہزاری نے اپنے ڈنڈے کو حکم دیا: ''جا!...... ان کھڑاؤں کو اتار لا۔'' ڈنڈا گیا اور کھڑاؤں پر برسنے لگا، وہ نیچے گر گئیں۔ جب برہمن نے یہ دیکھا تو یہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ تو پانی پر اور یہاں شاہ کوٹ پر حضرت نولکھ ہزاری کا قبضہ ہو گیا۔

یہی قصہ لاہور کے علی ہجویری صاحب کے بارے میں بھی مشہور ہے اور اسی پانی پر

جھگڑے کا قصہ راولپنڈی کے امام بری کے بارے میں بھی مشہور ہے ۔غرض ایسی بے سروپا باتیں بنا کر یہ لوگ جاہل عوام کو خوب لوٹ رہے ہیں۔ اسی طرح مزار کے قریب ہی ایک پہاڑی ہے، یہاں ایک پتھر میں ایک بڑا سا پیالہ بنا ہوا ہے، جس کے ایک جانب شیر کے دو پنجے ہیں، دوسری جانب بکری کے گھٹنے بنے ہوئے ہیں۔اس کے بارے میں مشہور کر رکھا ہے کہ حضرت نے شیر اور بکری کو ایک پیالے میں پانی پلایا تھا۔اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسے نشانات بنانا کیا کوئی مشکل کام ہے۔لوگوں نے تو پتھروں کے خوبصورت بت تراش لیے کہ جنھیں دور سے دیکھیں تو اصل کا گمان ہو۔تو ایسے نشانات اپنا کاروبار معرفت چمکانے کے لیے لگا لیے گئے ہوں تو کون سا بعید ہے اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ نشانات مسلمانوں کے لگائے ہوئے ہیں یا کہ مسلمانوں سے بھی قبل ہندو سادھو اور پنڈت وغیرہ یہ کاریگری کر کے اپنے لوگوں کو بے وقوف بناتے رہے ہیں اور پھر یہ بنا بنایا ریڈی میڈ کام مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔

سکھوں سے مشابہت:

اس بات کو تقویت اس واقعہ سے بھی ملتی ہے کہ سکھ جو کہ حسن ابدال جاتے ہیں اور وہاں ان کا گوردوارہ ''پنجہ صاحب'' موجود ہے۔ وہاں انھوں نے اپنے گورو کا یہ قصہ مشہور کر رکھا ہے کہ ایک حضرت اور ان کے درمیان پانی پر جھگڑا ہو گیا۔حضرت نے ایک بہت بڑا چٹان نما پتھر نیچے لڑھکا دیا، تب نیچے کھڑے گورو نانک نے اپنے پنجے سے چٹان کو وہیں روک دیا۔ چٹان آج بھی لڑھکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور ہاتھ کا پنجہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ وہاں گوردوارہ ''پنجہ صاحب'' بن گیا، جہاں سکھ اپنے گرو کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔

تو حقیقت یہ ہے کہ یہ کاریگریاں، شعبدے اور افسانے ہیں، جو ہر مذہب والوں نے اپنے ماننے والوں کو بے وقوف بنا کر مشہور کر رکھے ہیں اور خوب دنیا کما رہے ہیں۔ رہا اسلام...... تو اس کا نہ صرف یہ کہ ان چیزوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ ان چیزوں کو

مٹانے کے لیے آیا ہے، نہ کہ رواج دینے کے لیے۔

جب مرید قابل اعتراض حالت میں رنگے ہاتھوں پکڑے گئے !:

ہر قمری مہینے کی پہلی جمعرات کو نوچندی کہا جاتا ہے اور اس روز دربار پر بہت زیادہ رش ہوتا ہے۔ ایک نوچندی کے دن زائرین کے مسافر خانے میں لوگوں نے چند افراد کو قابل اعتراض حالت میں دیکھ لیا، تب انھیں گدی نشین کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ انھوں نے گدی نشین کی خدمت میں نذرانہ پیش کر دیا۔ دوسرے روز جب مسافروں نے ان افراد کی پھر وہی حالت دیکھی تو گدی نشین سے جا کر دوبارہ شکایت کی، تو انھوں نے جواب دیا: کہ رات مجھے بڑے پیر صاحب ملے تھے، وہ مجھ سے ناراض ہوئے اور کہنے لگے: ''میرے مہمان میرے جانور ہیں، ان سے تعرض مت کریں۔'' چنانچہ جب لوگوں کو پتا چلا کہ بڑے پیر صاحب نے یوں ان کا ذکر کیا ہے تو انھیں بھی بزرگ سمجھ کر لوگ ان کی زیارت کو جمع ہو گئے۔

ایسے ہی لکیر کے فقیر اندھے پیروکاروں کے بارے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ﴿١٧٩﴾ (الاعراف: ١٧٩)

''یہ لوگ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔''

اب حضرت نے جانور تو تسلیم کر لیا، دیکھیے اگلی منزل جو جانوروں سے بھی بدتر ہے، اسے کب تسلیم کرتے ہیں۔

پیشاب سے نہانے کی برکتیں !!:

دربار کے قریب ایک چھپڑ (جوہڑ) ہے۔ پہلے اس میں پانی کچھ صاف ہوا کرتا تھا اور مرد اور عورتیں یہاں نہایا کرتے تھے۔ عقیدہ یہ تھا کہ یہاں نہانے سے تمام جلدی بیماریاں (خارش وغیرہ) ختم ہو جاتی ہیں۔ نوچندی اور میلے کے دنوں میں رش زیادہ ہوتا، اردگرد نوجوان لڑکے

اور باقی لوگ کھڑے ہوتے اور یہاں نہانے والوں کا نظارہ کرتے۔ اب اس چھپڑ میں شہر کا گوبر اور پیشاب ملا گندہ پانی جمع ہوتا ہے مگر اس کے باوجود بعض لوگ اب بھی اس میں نہانے سے باز نہیں آتے۔

متبرک راکھ:

اسی طرح بے اولاد لوگ دربار کے صحن کے درختوں کے اڑھائی پتے کھاتے ہیں، یہ یقین کر کے کہ اب انھیں اولاد ملے گی۔ جس کا مرض لا علاج ہو اس کے بارے مشہور ہے کہ وہ حضرت کے لیے جلنے والی آگ کی راکھ کھایا کرے۔

غرض ہم لوگوں نے یہاں یہ مشہور کر رکھا تھا اور اپنے مریدوں کا عقیدہ بنا دیا تھا کہ اللہ کی سلطنت بہت وسیع ہے۔ اس کا تخت آسمانوں سے بھی اوپر ہے، وہ اکیلا انتظام نہیں چلا سکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بزرگوں کو زمین میں اختیارات دے رکھے ہیں اور وہ لوگوں کے حالات سے اللہ کو آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ پیر کی خوشنودی اللہ کی خوشنودی ہے اور یہ جو مصائب آتے ہیں یہ تو بزرگوں کی ناراضی کی وجہ سے ہی آتے ہیں، لہٰذا انھیں راضی رکھنا چاہیے۔

مشرکین مکہ کا عقیدہ:

یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ جو ہم نے اپنے مریدوں میں مشہور کر رکھا ہے، مشرکین مکہ سے ملتا جلتا ہے۔ اللہ کے فرامین ملاحظہ کیجیے:

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ
وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ
الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ (یونس: ۳۱)

”میرے رسول (ﷺ)! ان سے پوچھو! کون ہے جو تمھیں آسمانوں اور زمین سے

رزق دیتا ہے، سننے اور دیکھنے کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے۔ کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ تو بول اٹھیں گے کہ ''اللہ'' کہہ دو کہ پھر کیا تم (شرک کرنے سے) پرہیز نہیں کرتے؟''

اسی طرح دوسرے مقام پر اللہ نے مشرکین مکہ کے عقیدے کو یوں بیان فرمایا:

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ (لقمان: ٢٥)

''اور اگر ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ یہی کہیں گے کہ ''اللہ'' نے، کہو سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں مگر ان میں اکثر جانتے ہی نہیں ہیں۔''

مشرکین مکہ یہ سب کچھ ماننے کے باوجود اپنی بزرگ پرستی کی دلیل کیا دیتے تھے، قرآن کے الفاظ بھی ملاحظہ فرما لیں اور آج کے لوگوں کی دلیلوں کو بھی سامنے رکھ لیں اور پھر دیکھیں کہ ان میں کیا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ﴿٣﴾ (الزمر: ٣)

''اور وہ لوگ کہ جنھوں نے اللہ کے علاوہ مددگار بنا رکھے ہیں (وہ اپنے اس شرک کی دلیل یوں بیان کرتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے مگر صرف اس لیے کہ وہ (بزرگ) اللہ تک ہماری رسائی کراتے ہوئے ہمیں اس کے قریب کر دیں۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''مشرکین کہا کرتے تھے: ''اے اللہ! ہم تیری خدمت میں حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک

نہیں۔'' یہاں اللہ کے رسول ﷺ فرماتے: ''تم پر افسوس ہے یہیں رک جاؤ، ٹھہر جاؤ۔'' (مگر وہ مشرک اس کے بعد کہتے) ''مگر وہ شریک جو کہ تیرے ہی ماتحت ہیں اور جس کا تو ہی مالک ہے اور جس چیز کا وہ (بزرگ) مالک ہے، اس کا بھی (اے اللہ!) تو ہی مالک ہے۔'' مشرکین یہ الفاظ کعبے کا طواف کرتے ہوئے کہتے۔''

(صحيح مسلم، كتاب الحج، باب التلبية و صفتها ووقتها: ۱۱۸۵)

میں کیسے تائب ہوا :

میں ایک روز دربار میں بیٹھا تھا کہ اچانک دروازے پر لوگوں کی آوازیں سنائی دیں، ایک آواز یوں کان میں پڑی..... ''وہابی ہے حضرت کی گستاخیاں کر رہا ہے۔'' میں بھاگ کر دروازے پر گیا، لمبی سی داڑھی والا ایک مبلغ توحید کا وعظ سنا رہا تھا.....لوگوں کو دربار پر ہونے والے شرک سے باز کر رہا تھا.....اللہ کی عظمت بیان کر رہا تھا...... میں نے اسے روکا، وہ نہ رکا تو اسے دھکے دے کر ایک طرف کر دیا اور پھر مریدوں نے اسے مزید دھکے دے کر اور مار کر دربار کی حدود سے نکال دیا۔

یہ واقعہ جو رونما ہو چکا تھا، یہ بار بار میرے ذہن میں گردش کرنے لگا، پھر یہ میرا چین اڑانے لگا، اس مظلوم مبلغ کی آواز ہر روز میرا پیچھا کرنے لگی حتیٰ کہ میرا دل چاہنے لگا کہ وہ شخص ایک بار مجھے مل جائے تو اس سے معذرت کروں۔ مگر وہ شخص نہ جانے کون تھا کہ جو مجھے آج تک نہ مل سکا۔ بہر حال میں نے سوچا کہ یہ تبلیغی جماعت والا ہو گا۔ چنانچہ میں تبلیغی جماعت میں دلچسپی لینے لگا، ان سے ملاقاتیں کرنے لگا، ان کے حلقوں میں چوری چھپے بیٹھنے لگا مگر تبلیغی جماعت میں اس کردار کا مجھے کوئی فرد نظر نہ آیا جس کی مجھے تلاش تھی، جسے میں نے دھکے دیے تھے، جسے میرے مریدوں نے مارا تھا۔ آخر کار اپنے خیال کے مطابق تبلیغی جماعت والوں سے ایک درجہ اوپر دیوبندیوں سے رابطہ کرنے لگا کہ شاید وہ مجھے یہاں مل جائے کہ جس کی تلاش میں میں سرگرداں ہوں، مگر یہاں بھی مراد پوری نہ ہو سکی۔ اس دوران ہمارے مجاوروں کی قوم سے میرا ایک ہم قوم دوست منظور احمد حج کرنے گیا۔ وہ واپس آیا،

وہاں کے حالات اس نے مجھ سے بیان کیے تو اہل حدیث حضرات کی تعریفیں کرنے لگا۔ میں نے محسوس کیا یہ شخص اہل حدیث مسلک اختیار کرنے والا ہے۔ میں نے فی الحال اس کو ایسا کرنے سے روکا۔ دوسرے سال اللہ کی توفیق سے میں خود حج کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ یہ ۱۹۷۴ء کی بات ہے، بحری جہاز کا سفر تھا، جہاز میں شاہ کوٹ کے حاجیوں کے ساتھ ہی ڈسکہ شہر کے حاجیوں کا بھی قافلہ تھا۔ یہ سب لوگ اہل حدیث تھے۔ ان میں ایک عالم منیر احمد تھا، جو صبح کو قرآن کا اور شام کو حدیث کا درس دیتا۔ میں ان درسوں میں شامل ہونے لگا۔ قرآن و حدیث کا یہ وعظ سن کر مجھے واضح طور پر محسوس ہوا کہ جس شخص نے ہمارے دربار پر وعظ کیا تھا، ان کے وعظ اور بیان توحید کا انداز ایک ہی جیسا ہے۔ بہر حال اب واضح طور پر اہل حدیث حضرات سے انس سا محسوس ہونے لگا۔

تقلید سے تحقیق کی طرف:

۶ ذوالحجہ کو ہم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، پہلے طواف کے بعد ہمارے قافلے نے دو نفل نہ پڑھے، کیونکہ یہ طواف بعد از نماز عصر ہوا تھا اور عصر کی نماز کے بعد نوافل کی ممانعت ہے۔ چنانچہ نماز عصر کے بعد ہم حنفی لوگ ہر طواف کے بعد نفل چھوڑ دیا کرتے تھے اور اہل حدیث پڑھ لیا کرتے تھے۔ ایک روز میں نے ایک اہل حدیث عالم سے طیش میں آکر پوچھا: ''تم لوگ واقعی گستاخ رسول (ﷺ) ہو۔ حضور ﷺ عصر کے بعد نفل پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور تم باز ہی نہیں آتے۔'' اہل حدیث عالم نے میری یہ باتیں تحمل سے سنیں اور مشکوٰۃ شریف کی حدیث میرے سامنے رکھ دی، جس میں بیت اللہ کو اس ممانعت سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ أَوْ صَلّٰى اٰيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ»

(ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی الصلوة بعد العصر و بعد الصبح لمن

یطوف : ۸٦۸)

''اے بنی عبد مناف! کسی کو مت روکو جو بھی اس گھر کا دن یا رات کی کسی بھی گھڑی میں طواف کرنا یا نماز پڑھنا چاہتا ہے۔''

اب میں یہ حدیث اپنے حنفی علماء کے پاس لے کر گیا تو انھوں نے یہ کہہ کر حدیث کا انکار کر دیا کہ امام ابو حنیفہ نے اس پر عمل نہیں کیا، لہٰذا وہ ہمارے لیے دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ ہم تو امام اعظم کے مقلد ہیں۔ یہ بات میرے دل کو پتھر بن کر لگی۔ میں نے سوچا کہ جن لوگوں کو میں گستاخ کہہ رہا ہوں، وہ اپنی ہر بات پر حدیث رسول ﷺ کا حوالہ دیتے ہیں اور جو محبّ اور عاشق بنے پھرتے ہیں، وہ اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے قابل عمل ہونے کے لیے اس کو ایک امتی کے عمل کا محتاج بنا رہے ہیں، بھلا اس سے بڑھ کر اور ظلم اور گستاخی کیا ہوگی!!! چنانچہ اس واقعہ نے میرے لیے تحقیق کا دروازہ کھول دیا اور پھر میں نے مکہ اور مدینہ میں جو پانچ ماہ قیام کیا تو یہ سارا عرصہ اسی تحقیق ہی میں لگا رہا حتیٰ کہ اس تحقیق نے مجھے اس مقام تک پہنچا دیا کہ اب مجھے اہل حدیث مسلک کے قبول کرنے کا اعلان کر دینا چاہیے۔ میں نے اپنے اللہ سے ہدایت کی خصوصی دعا کی اور بیت اللہ کے اندر حطیم میں سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مسجد ہے جو ساری کی ساری شیشے کی بنی ہوئی ہے، اس کے مینار آسمان کو چھو رہے ہیں اور بنیادیں دور تک زمین کی گہرائیوں میں بڑی مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہیں، جس کی مثال اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یوں بیان فرمائی ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِى ٱلسَّمَآءِ ﴿٢٤﴾ (ابراھیم: ٢٤)

''میرے پیغمبر! آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ کی مثال کیسے بیان کی جیسے ایک پاکیزہ درخت ہو، اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔''

میں نے دیکھا کہ اس مسجد میں لوگ نماز ادا کر رہے ہیں اور رفع الیدین کی سنت پر عمل کر

رہے ہیں۔ میں اس مسجد کے گرد پھر رہا ہوں، داخل ہونا چاہتا ہوں مگر راستہ نہیں مل رہا۔ آخر کار میں نے مسجد کے اندر والے ایک نمازی سے پوچھا: ''دروازہ کدھر ہے؟'' جواب ملا: ''اس میں مشرک آدمی داخل نہیں ہو سکتا۔''

قرآن میں اللہ مومنوں سے یوں خطاب فرماتے ہیں:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُواْ ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ (التوبة:٢٨)

''اے ایمان والو! بلا شبہ مشرک پلید ہیں، لہٰذا یہ اس سال کے بعد احترام والی مسجد کے قریب بھی نہ جائیں۔''

اس کے بعد میں اچانک مسجد میں داخل ہو گیا اور وہاں نماز پڑھنے لگا، اس کے بعد میری آنکھ کھلی تو میں حطیم میں لیٹا تھا۔

شیطان کا جال:

اب میں نے اہل حدیث ہونے کا پختہ ارادہ کر لیا بلکہ دل تو موحد بن چکا تھا لیکن اس دوران شیطان درباری زندگی کی پر تعیش بہاروں کے چھن جانے کا خوف دلانے لگا، مستقبل کے خطرات سے ڈرانے لگا...... دربار پر جو خزانہ کھلتا اور میں اس خزانے کی دولت (کرنسی سکوں اور نوٹوں) کو تکڑی (ترازو) سے تولا کرتا تھا...... وہ منظر میرے سامنے آنے لگا...... نیاز اور شیرینی کی حلاوت کا مزا مجھے یاد آنے لگا...... اور یہ بات بھی یاد آئی کہ ہم نے کس محنت سے ان نیازوں کو رواج دیا حتیٰ کہ سکھوں سے شیرینی لینے کے لیے ہم لوگوں نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ سکھوں کے بڑے بابا گورو نانک صاحب بھی ہمارے پیر کی دعا سے ہی وجود میں آئے ہیں۔ ہماری یہ بات سن کر ہمارے دربار پر حلوے، کھیریں اور نیازیں اور زیادہ کثرت سے آنا شروع ہو گئی تھیں۔ اسی طرح شیطان مجھے کبھی برادری کا بت، رسم و رواج کا بت اور کبھی وہ جھوٹی عزت کے ختم ہونے کا خوف دلاتا......مگر میں نے تعوذ پڑھا، لاحول ولا

قوۃ الا باللہ کا ورد کیا اور اللہ کی توفیق سے عبدالرحمٰن مجاور سے عبدالرحمٰن موحد بن کر ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بنائے ہوئے مرکز توحید بیت اللہ سے عقیدۂ ابراہیمی لے کر واپس گھر لوٹا۔

گھر آنے پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے:

جب میں گھر آیا، لوگوں سے ملاقات ہوئی تو میری سب سے پہلی بات توحید پر ہوتی۔ جوں جوں توحید بیان کرتا گیا توں توں اپنے اور بیگانے سب مجھ سے نفرت کرتے گئے۔ جو کوئی مجھے دیکھتا ''یا علی مدد'' کے نعرے بلند کرتا، مجھے دیکھ کر شرکیہ کلام دہراتا۔ بعض لوگوں نے میری مخالفت میں مجھ پر منشیات، قتل اور ڈاکے کے مقدمات درج کرا دیے۔ شاہ کوٹ کے تمام مولویوں نے اپنے لاؤڈ سپیکروں کا رخ میری طرف کر دیا، صبح کے وقت درس قرآن کی بجائے مجھے گالیاں دینے سے حضرت صاحب کی تقریر شروع ہوتی۔

میرا ردعمل:

میرا گھر جو کہ دربار کے پڑوس میں مجاوروں کی آبادی میں تھا، میں نے اس کے ساتھ اللہ کی توفیق سے اللہ کا گھر تعمیر کر دیا اور اللہ کی توحید کا وعظ کرنے لگا۔ تب میری مخالفت میں اور زیادہ شدت آ گئی اور پھر تو میرا یہ حال ہو گیا کہ جب کبھی میرے مخالفین مجھے گالیوں اور دشنام طرازیوں سے نوازتے تو مجھے یہ خیال آنے لگتا شاید حق بیانی میں مجھ سے کوتاہی ہو رہی ہے اور یہ سوچ کر کہ یہ تکالیف اللہ کی محبت اور اس کی توحید کو اپنانے اور بیان کرنے کی وجہ سے پیش آ رہی ہیں، دل مسرور ہو جاتا۔

مسجد بنانے کے کچھ عرصہ بعد مولانا محمد رفیق مدن پوری مرحوم کو (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ بنائے۔ آمین!) ہم نے مسجد میں خطاب کی دعوت دی۔ لوگ دور دور سے چل کر آئے کہ شاہ کوٹ کی مسجد میں اہل حدیث کا پہلا اجتماع ہو رہا ہے۔

اہل حدیث ہونے کے بعد ڈیڑھ سال تک تو میرا کوئی ساتھی نہ تھا، بعد میں جب دعوت کا کام بڑھا تو اللہ نے کئی لوگوں کے دل پھیر دیے۔

تب کچھ ہی عرصہ بعد اللہ کی توفیق سے چودھری محمد ارشد ساہی صاحب نے ننکانہ روڈ پر ایک ایکڑ سترہ مرلے کا وسیع وعریض پلاٹ شہر کی انتہائی اہم جگہ پر حاصل کرلیا، جہاں آج کل اللہ کی توحید کا ڈنکا بج رہا ہے۔شہر کے وسط میں بھی نئی اہل حدیث مسجد بن چکی ہے۔شاہ کوٹ کے مضافات میں بھی دعوت توحید پھیل چکی ہے۔ دھنوآنہ اور چک نمبر ۸ میں اہل حدیث مساجد بن چکی ہیں۔اس کے علاوہ دو مزید دیہات میں مساجد بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔(اب تک یقیناً بن چکی ہوں گی۔ان شاء اللہ) غرض جس علاقہ میں اہل توحید کا نام ونشاں نہ تھا، آج الحمدللہ وہاں سے توحید کی خوشبوئیں آرہی ہیں۔

کڑوی بات:

آخر پر میں ایک کڑوی بات بھی عرض کردینا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ شاہ کوٹ کی طرح نہ جانے کہاں کہاں دعوت توحید پھیلنے کی ایسی کئی داستانیں بکھری پڑی ہیں مگر ہماری اہل حدیث جماعتوں کو اس کا خیال تک نہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دعوت کے میدان کو ہم چھوڑتے چلے جارہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسلک کے حق ہونے کی نشانی ہے کہ وہ اپنا آپ منوا کر خود ہی پھیلتا جا رہا ہے، اگر یہی کام منظم طریقے سے جماعتی سطح پر کیا جائے اور نامراد جمہوریت میں صلاحیتیں اور قیمتی سرمایہ برباد کرنے کی بجائے ''دعوت الی اللہ'' میں یہ سب کچھ خرچ اور صرف کیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ:

وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ﴿٢﴾ (النصر: ٢)

''اورتم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔''

کا سماں بندھ جائے۔(ان شاء اللہ!)

باب نمبر ۷

اصلی داتا دربار کی تلاش میں !!

داتا دربار کا تاریخ کے آئینہ اور مشاہدات کی روشنی میں ایک حقیقت پسندانہ جائزہ

داتا دربار اسے کہتے ہیں جہاں سے دونوں جہانوں کی بھلائیاں ملیں اور جس دربار سے یہ سب کچھ مل جائے بھلا ایسا کون نادان ہے جو وہاں نہ جائے۔ چنانچہ ہم جس دربار کو داتا دربار سمجھتے تھے سو اسے سمجھتے ہی تھے......مگر جب ہم اپنے گاؤں سے اٹھ کر لاہور شہر میں آئے تو پتا چلا کہ لاہور میں ایک داتا دربار ہے۔ چنانچہ دربار پر جانے اور اسے دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ اپنا یہ شوق ایک دوست کے سامنے ظاہر کیا......تو وہ کہنے لگا: ''بھئی ! بھاٹی دروازہ میں جو دربار ہے وہاں مت جایے...... وہ تو نقلی دربار ہے، وہ داتا دربار نہیں ہے، داتا دربار تو شاہی قلعہ میں ہے۔ وہاں شیش محل کی دیوار کے ساتھ زیر زمین واقع ہے...... علماء اور مؤرخین نے جو تحقیق کی ہے تو ان کی جدید تحقیق کے مطابق آثار قدیمہ کے محکمہ والوں نے وہاں کھدائی شروع کر دی، کھدائی کرتے ہوئے اندر سے دربار دریافت ہوگیا، وہی اصلی دربار ہے۔ یہ بھاٹی والا نقلی دربار ہے، یہاں مت جایے، یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔''

اصلی داتا دربار:

اب میں شاہی قلعہ میں جا نکلا، وہاں ایک اہلکار سے پوچھا: ''بھئی! سنا ہے کہ اصلی داتا دربار یہاں شاہی قلعہ میں ہے!! ...... آپ کی بڑی مہربانی اگر آپ مجھے وہاں لے چلیں، تو اہلکار نے مجھے آہستہ سے کہا: ''بھئی! دربار تو ہے، میں آپ کو وہاں لے چلتا ہوں، ویسے ہم عام لوگوں کو اس کی خبر نہیں کرتے کیونکہ رش ہو جاتا ہے اور وہ زمین دوز ہے، اگر زیادہ لوگوں کو پتا چل گیا کہ اصلی داتا دربار یہ ہے تو سب لوگ بھاٹی والے نقلی داتا دربار کو چھوڑ کر یہیں آجائیں گے اور پھر اندر دم گھٹ کر مر جائیں گے۔'' میں نے کہا: ''اچھا یار! پھر مجھے تو وہاں لے چل۔'' چنانچہ ہم دونوں شیش محل کی دیوار کے ساتھ پہنچے تو اس نے زمین پر پڑے ہوئے آہنی دروازے کے دونوں طاق دائیں بائیں وا کیے تو اندر سے بل کھاتی نیچے کو جاتی ہوئی سیڑھی دکھائی دی۔ مجھے کہنے لگا: لو یہ ہے اصلی داتا دربار...... اب مجھے اجازت ......۔'' میں اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ زیرِ زمین گنبد کا اندرونی حصہ میرے سر کے اوپر دکھائی دیا، درمیان میں ایک قبر تھی، جس کے اوپر سادہ پتھر لگے ہوئے تھے۔ اس قبر کے اردگرد ایک عورت اور دو مرد بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: ''کہاں سے آئے ہو؟'' تو انھوں نے کہا: ''ہم کراچی سے آئے ہیں اور محض اس اصلی داتا دربار کی زیارت کرنے آئے ہیں۔''

وہاں ان لوگوں نے ایک دیا بھی جلا رکھا تھا اور ایک سبز چادر بھی مزار پر ڈال رکھی تھی۔ میں یہ دیکھ کر واپس ہوا تو تمام راستے میں یہی سوچتا رہا کہ کیا یہ اصلی داتا دربار ہے؟ کیا لوگوں نے ایک فوت شدہ ''بزرگ'' کی قبر کو داتا دربار کہنا شروع کر دیا ہے؟ داتا تو اسے کہتے ہیں جس سے جو مانگا جائے وہ عطا کرے اور یہ اصول ہے کہ دینے والے کا ہاتھ ہمیشہ اوپر ہوتا ہے جب کہ لینے والے کا ہاتھ ہمیشہ نیچے ہوتا ہے یہ کیسا داتا ہے کہ جسے کہا تو داتا جاتا ہے مگر یہ خود سطح زمین سے بھی نیچے مدفون ہے!! ...... اور جو اس داتا سے مانگنے والے ہیں، وہ اس داتا سے اوپر ہیں!! اور پھر جب یہ اس زیرِ زمین داتا سے مانگ رہے ہوتے ہیں تو ان کے ہاتھ آسمان کی جانب ہوتے ہیں، چہرہ اور نگاہیں بھی اکثر آسمان کی طرف اٹھ جاتی ہیں...... تو

یہ تو واقعہ اور عمل میں بہت دوری ہے۔ واقعہ اور عمل میں یکسانیت تو یہ ہے کہ ہاتھوں کے تلوے آسمان کی بجائے زمین کی جانب ہوں کیونکہ ان لوگوں کا داتا زیر زمین (دفن) ہے...... کیا کہیں ایسا تو نہیں کہ لوگوں کی فطرت آسمان میں داتا کی تلاش میں سرگرداں ہے جبکہ بعض لوگوں نے اپنے مقاصد کی خاطر لوگوں کو گمراہ کیا ہو اور یوں انھیں ایک زیرزمین داتا فراہم کر دیا ہو۔

علی ہجویری کی قبر شاہی قلعہ میں ہے، بھاٹی چوک میں نہیں!!:

جیسا کہ ہم نے ابھی بتایا کہ علی ہجویری کی قبر لوگوں کے بقول بھاٹی چوک میں نہیں ہے...... یہ نقلی قبر ہے، جو اکبر بادشاہ نے تعمیر کروائی تھی، تاکہ عرس اور میلوں وغیرہ کی بنا پر پیدا ہونے والے ہجوم اور ازدحام سے شاہی محل کو بچایا جاسکے اور عوام قلعے سے باہر والی قبر پر ہی جو کرنا ہے کرتے رہیں۔

قارئین کرام! یہ لوگوں کا یا صرف ہمارا ہی نقطۂ نظر نہیں بلکہ ایک تاریخی امر واقعہ ہے۔ جس کے متعلق اس سے پہلے بھی متعدد اہل فکر و دانش زور دے چکے ہیں کہ حکومت پاکستان علی ہجویری کی اصل قبر کی نشاندہی کر کے لوگوں میں پائے جانے والے اضطراب کو رفع کرے۔ ان احباب میں مولانا اجمل قادری کے والد مولانا احمد علی لاہوری بھی شامل ہیں۔ اب ہم مثال کے طور پر آپ کے لیے ایک تحقیقی تحریر پیش کرتے ہیں جو ۲۲ جولائی ۱۹۹۱ء کے ''روزنامہ پاکستان ٹائمز'' میں شائع ہوئی۔ اس میں شاکر رضوانی صاحب نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ حکومت علی ہجویری کی قبر کی اصل حقیقت سامنے لائے۔ جب یہ مضمون پاکستان ٹائمز میں شائع ہوا تو پورے پاکستان میں خانقاہی نظام کے علمبرداروں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ داتا دربار کے گدی نشین تہ دل سے یہ کہتے:

بھئی! ہم اتنا واویلا کیوں کریں؟ ہم صاف کہتے ہیں کہ جس طرح چاہے حکومت تحقیق کر لے، یہاں بھاٹی والی قبر انہی داتا علی ہجویری صاحب کی ہی ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں،

حکومت جیسے چاہے تحقیق کرے، ہم بھرپور تعاون کریں گے، تاکہ عوام الناس میں جوشکوک و شبہات کی فضا پائی جاتی ہے، وہ ختم ہو۔ قارئین! خانقاہی نظام کے ٹھیکداروں اور تاجروں نے ایسانہیں کیا کہ اس طرح جو ان کی دن رات تجوریاں بھرتی تھیں ...... بینک بیلنس بنتے تھے ......اصل حقائق سامنے آنے کی صورت میں وہ ختم ہو جاتے ۔ بے دلیل خانقاہی نظام کی بدولت اس قبر کے ذریعہ جو تجارت دن رات جاری وساری تھی وہ تباہ ہو جاتی ...... ہاں...... اسی لیے انھوں نے قبر کی تحقیق کرنے والے صحافی شاکر رضوانی کے خلاف پورے ملک میں احتجاج کا طوفان کھڑا کر دیا۔

اس شدید احتجاج کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس کو دیکھتے ہوئے کوئی دوسرا شخص دوبارہ یہ مطالبہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے ۔اس احتجاج میں شائع ہونے والے ایک اشتہار کا عکس آپ بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں، جس میں شاکر رضوانی کے انگریزی مضمون کے ایک حصہ کا اردو ترجمہ بھی ان گدی نشینوں نے کیا ہے (جو نظر آ رہا ہے) ۔ ہم مضمون کا وہ ترجمہ آپ کے سامنے رکھتے ہیں، خود کچھ نہیں کہتے !! ...... کہ ہم کچھ عرض کریں گے تو شکایت ہوگی ...... لیجیے! اشتہار بھی داتا دربار کے گدی نشینوں کا اور پاکستان ٹائمز میں شائع ہونے والے مضمون کے ایک حصہ کا ترجمہ بھی ان ہی کا کیا ہوا......اس کی سرخی کچھ اس طرح ہے:

’’مزار گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو مسمار کرنے کا شر انگیز مطالبہ‘‘

اور پھر گدی نشین شاکر رضوانی کی تحریر کا ترجمہ کرتے ہیں، جس میں رضوانی صاحب لکھتے ہیں:

> ’’جیسا کہ بیان کیا ہے کہ مصنف (داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اس کے سوا کوئی معلومات موجود نہیں جو کہ اس کتاب (کشف المحجوب) میں دی گئی ہیں۔ان کی پیدائش اور وصال کی تاریخوں کا محض تخمینہ ہی لگایا جاسکتا ہے حتیٰ کہ ان کی جائے تدفین کے بارے میں بھی وثوق سے نہیں کہا جاسکتا۔لاکھوں لوگ موجودہ

جگہ کو ان کا مزار سمجھ کر زیارت کرتے ہیں جبکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور جگہ، شاید اکبر کے قلعے کے ایک کونے میں مدفون ہوں۔ گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ نکتہ بھی اتنا نتیجہ خیز نہیں ہے۔ کیونکہ ایک ایسی جعلی قبر بنانا جو ان کی قبر قطعاً نہ ہو، اس کو غسل دینا، کپڑے کی چادریں چڑھانا اور پھول نچھاور کرنا، بت پرستی کی ایک قسم ہے، علامتی بت پرستی بہت بڑی گمراہی ہے۔

حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ولی کی قبر کی تعین کرے خواہ یہ یقین حاصل کرنے کی غرض سے، یہاں سے انسانی ڈھانچہ کے آثار دیکھنے کے لیے (علی ہجویری کی) قبر ہی کیوں نہ کھودنا پڑے۔ اگر یہی قبر اس ولی کا مدفن ہوا تو اس کا جسم اور کفن صحیح سالم ہوگا اور اگر یہاں کوئی شخص مدفون نہ ہوا تو یہاں سے انسانی ڈھانچہ نہیں ملے گا۔ اس صورت میں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہاں کسی قبر کا وجود نہیں تھا۔ تا آنکہ شہنشاہ اکبر نے لوگوں کو شاہی محل سے دور رکھنے کے لیے یہ جعلی قبر تعمیر کروائی۔

شہنشاہ اکبر نے اجمیر میں بھی یہی کام کیا تھا، جہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قریبی پہاڑوں میں مدفون ہیں...... جبکہ ان کی درگاہ اور دربار شہر کے بڑے بازار میں ہے۔ ایسا محض زائرین کی سہولت کے لیے کیا گیا تھا۔

میں نے بارہا اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کسی بھی تاخیر کے بغیر اس ابہام کو دور کیا جائے لیکن تا حال کوئی اقدام نہیں کیا گیا ہے۔ اگر قبر کھودنے پر یہ ثابت ہو جائے کہ ولی واقعتاً یہاں مدفون ہیں تو ایک عظیم شبہے کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا۔ اگر اس کے برعکس بات ثابت ہو تو جعلی قبر کو مسمار کر دیا جائے۔"

(روزنامہ پاکستان ٹائمز ۲۲ جولائی ۱۹۹۱ء)

اب داتا دربار کے گدی نشین اس تحریر اور مطالبے پر آگ بگولا ہوتے ہوئے احتجاج کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"ہم اس فتنہ انگیز اور گستاخانہ تحریر پر پرزور احتجاج کرتے ہیں اور حکومت پاکستان

سے درخواست کرتے ہیں کہ اس تحریر کی نشر و اشاعت کے ذمہ دار افراد اور گستاخ شاکر رضوانی ''پاکستانی رشدی'' کے خلاف فوری انصاف کی عدالت میں کارروائی کی جائے۔ تاکہ یہ فتنہ جلد از جلد اپنے انجام کو پہنچے۔''

قارئین کرام! یہ تھا نقلی قبر کے متعلق لب کشائی کرنے والے کے متعلق مصنوعی دربار کے سجادہ نشینوں کا ردعمل کہ جس کے متعلق میں سوچوں میں گم رہتا تھا کہ میں نے اچانک اخبار میں خبر پڑھی کہ ۱۰ ستمبر کو لاہور میں داتا صاحب کا عرس ہو رہا ہے اور یہ عرس بھاٹی دروازے میں ہو رہا تھا۔ اب میں دوبارہ یہ سوچنے لگا کہ شاہی قلعہ میں جو اصلی داتا دربار دیکھنے گیا تھا، وہ تو سچی بات ہے نقلی داتا دربار ہے۔ اب ممکن ہے جس بھاٹی والے دربار کو لوگ نقلی داتا دربار کہتے ہیں، ممکن ہے یہی اصلی ہو۔ چنانچہ فیصلہ کیا کہ اسے بھی دیکھ ہی لیا جائے۔ لہٰذا میں نے اپنے ایک انجینئر بھائی کو تیار کیا، پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس سے ہم نے اپنے ایک دوست محمود احمد صاحب کو بھی ہمراہ لیا اور ہم تینوں بھاٹی کے داتا دربار کی طرف چل دیے۔

دولہے کی قبر پر......!!

جب ہم داتا دربار کی طرف جانے والے پر رونق بازار میں داخل ہوئے تو جوں جوں آگے بڑھ رہے تھے اور بازار کی رونقیں اور داتا صاحب کو تحفہ دینے کے لیے لوگوں کی خریداری دیکھ رہے تھے، تو کچھ یقین ہونے لگا کہ یہ داتا کا عرس ہے۔ ہم نے عربی میں یہی پڑھا ہے کہ عرس کا معنی شادی ہوتا ہے اور اس حوالے سے دولہا میاں کو عریس اور دلہن صاحبہ کو عروس کہتے ہیں۔ کیا داتا کی بھی شادی ہوتی ہے؟ ...... کیا وہ بھی ہر سال دولہا بنتا ہے؟ یہ یقین نہ آتا تھا مگر بازار کی رونق دیکھ کر صاف محسوس ہونے لگا کہ پروگرام واقعی شادی جیسا ہے۔ تِلّہ لگی اور کڑھائی کی ہوئی خوبصورت سبز قیمتی چادریں اسی طرح داتا دربار کو پہنائی جا رہی ہیں جیسے ہمارے معاشرے میں دولہن کو پہنائی جاتی ہیں۔ جس طرح دولہا کو نوٹوں کی سلامی دی جاتی ہے اور ہار پہنائے جاتے ہیں، وہی کیفیت یہاں ہے کہ چادریں نوٹوں سے

بھر کر لائی جارہی ہیں، نوٹوں اور پھولوں کے ہار بھی یہاں بے شمار ہیں، چھوہارے بتاشے، مکھانے اور مٹھائیاں جن کے بغیر شادی کا تصور نہیں کیا جاسکتا، ان سے یہ بازار بھرا پڑا ہے۔

تھوڑا سا آگے گئے تو گوشت، زردے اور پلاؤ کی دیگوں کا کوئی شمار نہ تھا اور نہ ہی کھانے والوں کا...... بھلا شادی ہو اور زردہ و پلاؤ نہ ہو، ہمارے معاشرے میں یہ ناممکن سی بات ہے...... میں نے اپنے ساتھی سے کہا: ''یار!...... یہ لاؤڈ سپیکروں کا شور کیسا ہے جو کان کے پردے پھاڑے چلا جا رہا ہے اور سمجھ کچھ بھی نہیں آ رہا کہ یہ کہنے والے کیا کہہ رہے ہیں؟'' چنانچہ ہم اس شور کی طرف متوجہ ہو کر چلنے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جہاں کبھی اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ ہوا کرتا تھا، وہ علم کا گہوارہ گرا کر مسمار کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ اس بے ہنگم شور کا بندوبست کیا گیا ہے۔ سوچا کہ شاید یہ شور، جسے اتنے زبردست اہتمام کے ساتھ برپا کیا گیا ہے، یہ کوئی بڑی اچھی اور نصیحت آموز گفتگو ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اگر حکومتی سرپرستی میں پورے ملک کے علمی گہوارں کو گرا کر ایسے ہی شوروں کا بندبست کر دیا گیا تو یہ قوم شاید جاپانی قوم سے بھی بازی لے جائے!! یہ سوچتے سوچتے جب اس ''شورگاہ'' کے قریب پہنچے تو سامنے کیا دیکھتے ہیں، ایک نوجوان عورت سبز لباس زیب تن کئے ہوئے انتہائی والہانہ انداز میں دھمال ڈال رہی ہے!! اور اس کے اردگرد ایک مجمع ہے، جو یہ نظارہ کر رہا ہے۔ داتا دربار کے عرس (شادی) کی یہ دھمال اور رقص دیکھ کر آگے بڑھے تو ایک مرد بھی عورتوں کا روپ دھار کر یہی کام کر رہا تھا، لوگ کہہ رہے تھے: ''یہ داتا دربار کے ملنگ اور ملنگنیاں ہیں۔''

قوالی ہاؤس کا منظر:

یہ لوگ جس شور پر والہ وشیدا ہو رہے تھے، وہ جس جگہ برپا تھا اس جگہ کے اردگرد جنگلے لگے ہوئے تھے اور ہم اسی جگہ پہنچنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ہم نے ایک آدمی سے پوچھا: ''بھئی! اس ''شوروغل والی جگہ'' جانے کا راستہ کون سا ہے؟'' تو اس نے غصے سے کہا: ''شوروغل نہیں یہ تو ''قوالی شریف'' ہے اور پورے ملک سے بڑے بڑے قوال یہاں آتے ہیں۔'' اب میں

سوچنے لگا: ''اے اللہ! یہ کیا ماجرا ہے؟ عربی میں تو قوالی کا معنیٰ ''یاوہ گوئی'' بنتا ہے جبکہ بے تکی اور بے ہودہ چیخ پکار کرنے والوں کو قوال کہا جاتا ہے اور یہ اسے شریف کہہ رہا ہے!!''

خیر ہم اس کے بتائے ہوئے راستہ سے قوالی شریف کی جگہ پہنچ گئے۔ اس جگہ کی سجاوٹ کے کیا کہنے!!...... رات کا وقت تھا، بجلی کے قمقمے، ٹیوبیں اور رنگا رنگ کے گلوب جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ رنگ برنگی چمکدار جھنڈیاں پنکھوں کی ہوا کے ساتھ پھڑ پھڑا رہی تھیں۔ ہمیں یہ سب دیکھ کر وہ غریب دیہاتی یاد آ گیا کہ جس نے کسی دربار کا ایسا منظر دیکھ کر حسرت سے کہا تھا۔

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

بیٹھنے کو قالین بچھے ہوئے تھے۔ سامنے سٹیج پر سات آٹھ آدمیوں کی ایک ٹیم براجمان تھی۔ ان کے سامنے مائیک تھے۔ طبلے، طنبورے اور سرنگی نما آلات موسیقی ان کے سامنے تھے۔ یہ سب حضرات کبھی مل کر...... گلے پھاڑ پھاڑ کر...... ابھر ابھر کر...... کبھی زیادہ جوش میں گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر...... ایسی عجیب وغریب آوازیں نکالتے تھے کہ جنھیں پوری طرح سمجھنا پہاڑ کھود کر دودھ کی نہر نکالنے کے مترادف تھا۔ اس سٹیج پر ہر پانچ منٹ کے بعد ایک نئی ٹیم آ رہی تھی اور اپنا اپنا کرتب دکھلا کر واپس جا رہی تھی۔ سامعین نوٹوں کی بارش کر رہے تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ دو آدمی انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ اس سٹیج کے سامنے کھڑے ہو گئے، جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال کر جیسے نوٹ گنے جاتے ہیں، ایسے جلدی جلدی نیچے پھینکتے جاتے تھے، ایک ختم ہونے کے بعد دوسری نکال لیتے اور پھر کوئی آگے بڑھ کر ان نوٹوں کو ایک رومال میں ڈال کر ان قوالوں کے اوپر پھینک دیتا۔ ادھر قوال صاحبان اور تیز ہو جاتے۔ اتنے تیز ہو جاتے کہ دور بیٹھے ہوئے بھی مجھے ان کی پھولی ہوئی اور پھٹنے کے قریب رگیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان پر روپے پھینکنے والے ان کے اپنے ہی ایجنٹ

تھے جو کہ ایک منصوبے کے تحت اس طرح ڈرامہ رچاتے ہیں تاکہ لوگ بھی جوش میں آکر قوالوں پر دولت نچھاور کریں اور اس طرح وہ ایک مجلس میں معرفت کے نام پر ہزاروں روپے چند منٹوں میں لوگوں سے ہتھیا لیتے ہیں۔ بہرحال سروں پر کپڑے کی سنہری اور سادہ ٹوپیاں پہننے والی یہ داڑھی منڈے قوالوں کی ٹیمیں، اس مجلس کی انتہائی پاکباز ٹیمیں تھیں...... اور ان ٹیموں کی قوالیوں کے جو کوئی ایک آدھ الفاظ سمجھ میں آتے تھے تو وہ اس قدر کفر و شرک سے لبریز تھے کہ اگر انھیں سمندروں میں پھینک دیا جائے تو سمندروں کا پانی تیزاب بن جائے...... بہرحال ہم یہاں سے اٹھے اور سیدھے داتا دربار کی طرف چل دیے۔

نقلی دربار کی طرف:

دربار پر پہنچے...... دیکھا تو یہ داتا دربار بھی ایک قبر پر ہی مشتمل تھا، اس کے گرد اور کئی قبریں تھیں۔ یہاں اس قدر ہجوم تھا کہ اللہ کی پناہ......شہر کی سڑکوں پر تو ہم دیکھ ہی چکے تھے کہ لوگوں نے چادر کے کونوں کو تھاما ہوا ہے، آگے آگے ڈھول بجتا جا رہا ہے، نوجوان ڈسکو ڈانس کر رہے ہیں۔ سیٹیاں بج رہی ہیں۔ راہ چلتے لوگ اس چادر میں نوٹ ڈال رہے ہیں۔ اب جب یہ چادر دربار کے گیٹ پر پہنچی تو ہر شخص اس کے نیچے پناہ پکڑنے کی کوشش کرتا، اس کے دامن کو تھامنے کی مقدور بھر جد و جہد کرتا، پھر اس رش میں دھکم پیل کی نذر ہوتا، محافظوں سے جھڑکیاں اور چھڑیاں کھاتا۔ جب دربار سے تقریباً ایک فٹ پہلے ایک چوکور جالی دار سنگ مرمر کے سفید کمرے سے گزرنے لگتا تو پہلے اس کمرے کے ساتھ چمٹ جاتا، کوئی آہ و زاری کرکے رو رہا ہے، کوئی جالی پر ہاتھ پھیر کر اپنے چہرے اور جسم پر پھیر رہا ہے، کوئی اپنا وجود اس کے ساتھ مس کر رہا ہے، لوگ جالیوں کے اندر نوٹ بھی پھینک رہے ہیں۔ نہ جانے یہ کمرہ کتنی بار نوٹوں سے بھرتا ہے اور کتنی بار خالی کیا جاتا ہے!! اس کے بعد پھر یہ حضرات آگے بڑھتے ہیں اور داتا دربار کے ساتھ اس سے کہیں بڑھ کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

خزانوں کا مالک:

مشہور ہے کہ شیخ معین الدین چشتی جن کا مزار ہندوستان کے شہر اجمیر میں ہے، وہ بھی یہاں داتا دربار پر آئے تھے۔ مذکورہ جالی دار کمرے والی جگہ انھوں نے چلہ کاٹا تھا اور پھر فیض پانے کے بعد یہ شعر کہا تھا ۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں راپیر کامل کاملاں را راہ نما

ایک طرف کھڑا میں اپنے ساتھی عبدالقدوس کے ہمراہ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور دوسری جانب میری نظر اللہ کے قرآن پر تھی، اس کے آخری رسول ﷺ کے فرمان اور ان کی مبارک سیرت پر تھی......قرآن میں اللہ اپنے پیغمبر سے کہہ رہے ہیں:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ﴿۵۰﴾ (الانعام: ۵۰)

''میرے نبی ! کہہ دو کہ میں تمھیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔''

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ خزانوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لیے اب اللہ کے رسول تو گنج بخش (خزانے عطا کرنے والے) نہیں ہیں لیکن عجب ستم ظریفی ہے کہ جناب چشتی صاحب اس بزرگ کو گنج بخش قرار دے رہے ہیں......اور جو دوسری بات ''فیض عالم'' دنیا کو فیض پہنچانے والی ہے، تو یہ کون سا فیض ہے جس کا انکشاف جناب معین الدین چشتی کو ہوا ہے؟ فیض دو ہی طرح کا ہوسکتا ہے۔ دینی ہوگا یا دنیاوی۔ دینی فیض تو قرآن وحدیث کی صورت میں اللہ کے رسول ﷺ دے گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی یہ فیض اللہ کے رسول ﷺ کی قبر مبارک پر لینے نہیں گئے، نہ کبھی کوئی مسئلہ پوچھنے گئے، نہ کبھی کوئی چلہ کاٹنے گئے ......اب رہا دنیاوی فیض تو اس کے بارے اللہ اپنے

نبی ﷺ سے فرماتے ہیں:

﴿ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ ﴾

(الاعراف: ۱۸۸)

''میرے نبی! کہہ دو کہ میں تو اپنی ذات کے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔''

اب جب اللہ کے رسول ﷺ بھی خود اپنے اختیار سے اپنے آپ کو فیض پہنچانے پر قادر نہیں تو حضرت علی ہجویری صاحب فوت ہونے کے بعد اپنے چلہ کشی کرنے والے مرید کو کیا دنیاوی فیض پہنچائیں گے؟

قبروں کے مجاور:

اب رہی بات ''مظہر نور خدا'' ہونے کی، جس کا مطلب خدا کے نور کا ظہور یا اوتار ہے، تو یہ فقرہ ایسے شرکیہ عقیدے کا حامل ہے کہ جس کا تعلق اسلام کے ساتھ بہر حال نہیں ہے۔

باقی جہاں تک قبر کے پاس بیٹھ کر چلہ کشی کرنے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ہم تو کچھ نہیں کہتے، صرف اپنے پیارے رسول ﷺ کا پیارا فرمان سنائے دیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَانْ يَّجْلِسَ أَحَدُ كُمْ عَلَى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِيَابَهُ فَتَخْلُصَ إِلَى جِلْدِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَّجْلِسَ عَلَى قَبْرٍ))

(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب النهى عن الجلوس على القبر والصلوٰة عليه : ۹۷۱)

''اگر تم میں سے کوئی شخص کسی انگارے پر بیٹھے اور وہ انگارا اس کے کپڑوں کو جلادے، پھر اس کے بدن کو جا لگے تو یہ انگارا اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ انسان کسی قبر کا مجاور بنے۔''

غرض میں یہ سب کچھ سوچے جا رہا تھا اور لوگوں کو دیکھے جا رہا تھا جو کچھ وہ یہاں کر رہے تھے۔

شاہ ایران، ذوالفقار علی بھٹو اور سونے کا گیٹ:

یہاں سے دائیں جانب بیرونی طرف ایک سونے کا دروازہ بھی نصب ہے۔لوگ یہاں بھی بیرونی جنگلے کے ساتھ ہی چمٹ چمٹ کر آہ و زاریاں کر رہے تھے۔ میں کبھی تو اس دروازے کو دیکھتا تھا اور اس کے ساتھ لگی ہوئی سلیٹ کو دیکھتا تھا، جس کے مطابق اسے شاہ ایران نے بنوایا تھا اور ذوالفقار علی بھٹو نے یہاں نصب کیا تھا...... شاہ ایران کو پوری دنیا میں کہیں جائے پناہ نہ ملی، وہ حکومت ایران سے جان بچانے کے لیے راہ فرار اختیار کرنے کے بعد دنیا میں مارا مارا پھرتا رہا اور آخر کار سسک سسک کر کینسر سے مر گیا۔تو رہا بے نظیر بھٹو کا والد ذوالفقار علی بھٹو، تو وہ مولوی مشتاق کی عدالت میں پھانسی کے پھندے پر چڑھ گیا...... میں یہ غور کرتا تھا اور لوگوں کو یہاں روتے دیکھ کر سوچتا تھا...... کہ یا اللہ! یہ کیا چاہتے ہیں؟ شاہ ایران والا انجام چاہتے ہیں یا کہ بھٹو جیسا حال چاہتے ہیں...... بہر حال پھر دربار سے ہوتے ہوئے بائیں جانب کا رخ کیا تو دربار کے سامنے وسیع وعریض اور خوبصورت مسجد دکھائی دی۔ دربار اور مسجد کا ایک ہی صحن ہے۔ مختلف جگہوں سے آئے چھوٹے درباروں کے گدی نشین کعبے کی طرف پشت کیے ہوئے ...... اور دربار کی طرف منہ کیے ہوئے براجمان تھے۔ ہر ولی کے گرد مریدوں کا جم گھٹا تھا، مٹھائیوں کے ڈبے سامنے پڑے تھے، ختم پڑھا جارہا تھا اور تبرک تقسیم کیا جارہا تھا۔ ذرا آگے بڑھے تو ایک اور حضرت بڑے جاہ وحشمت سے آتے ہوئے دکھائی دیے۔ مریدوں نے مسند بچھائی، حضرت براجمان ہوگئے، دو مرید دائیں بائیں دستی پنکھے کی ہوا دینے لگے اور دو سامنے مؤدبانہ انداز میں بیٹھ گئے ۔حضرت اب دائیں بائیں دیکھ رہے تھے...... کہ کون نیا مرید بننے کے لیے آتا ہے؟ چنانچہ لوگ آکر بیٹھنا شروع ہوگئے۔ مرید حضرت کی شان بیان کرتے جاتے تھے، نئے بننے والے متاثر ہو کر حضرت کے آستانے کا پتا پوچھ رہے تھے، کئی ایک حضرت کی نذر کچھ مال بھی کر رہے تھے۔غرض چاروں طرف ایسے ''حضرت'' کثیر تعداد میں اپنی اپنی محفل سجا کر بیٹھے تھے۔اب میں سوچنے لگا کہ مسجد تو مسلمانوں کی عبادت گاہ ہوتی ہے اور یہ داتا دربار بھی عبادت گاہ بن چکا ہے اور صاحب دربار

بزرگ کو کہا بھی داتا جاتا ہے اور یہ مسجد جو میں اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں تو یہ اس صاحب دربار بزرگ ''داتا کی مسجد'' مشہور ہے۔ دونوں کا صحن بھی ایک ہے۔ ایک طرف یہ دیکھ رہا ہوں اور دوسری طرف جب اپنے سچے نبی ﷺ کے فرامین کی طرف دیکھتا ہوں تو منظر کچھ اور ہی نظر آتا ہے، حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو وفات پانے سے پانچ دن قبل یہ فرماتے ہوئے سنا:

«أَلَا وَ إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَاءِ هِمْ وَ صَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»

(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهى عن بناء المسجد على القبور واتخاذ الصور فيها......الخ: ٥٣٢)

''خبردار! تم سے پہلے جو لوگ تھے انھوں نے اپنے نبیوں اور نیک بزرگوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔ خبردار! تم قبروں کو عبادت گاہ نہ بنانا، میں تمھیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔''

یہاں ہم نے دعوت کا کام بھی جاری رکھا، ایک نوجوان کو سمجھانے کی کوشش کی مگر اس نے الٹی سیدھی باتیں کر کے بھاگنے ہی کی کوشش کی۔

داتا دربار اچھی طرح دیکھنے کے بعد میں نے اپنے دوست سے کہا کہ یار جو اصلی داتا دربار دیکھا، تو وہ بھی نقلی نکلا...... اور جو نقلی دیکھا ...... یہ سوچ کر کہ کہیں یہ ہی اصلی نہ ہو، تو وہ بھی نقلی ہی نکلا اور پھر یہ نقلی بھی ایسا کہ اس کے اوپر بھی ایک نقل چڑھی ہوئی ہے یعنی اس کی قبر تو سطح زمین پر ہے، اسے دیکھنے کوئی خاص شخص ہی جا سکتا ہے، جبکہ اس کی سیدھ میں ۱۴ فٹ اوپر یہ موجودہ قبر ہے جو کسی بھی انسان سے خالی ہے، جسے لوگ پوج رہے ہیں۔ تو یہ جو دربار بنا رکھا ہے یہاں تو کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اصلی داتا دربار تو وہی ہے جسے تم دیکھ آئے ہو...... وہ دربار کہ جسے بنانے کا اللہ نے خود اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا...... وہ اللہ کا گھر کہ جس پر کالی چادر چڑھائی جاتی ہے...... جسے غسل دیا جاتا ہے......

جس کے ساتھ چمٹ کر رویا جاتا ہے......جس کے سیاہ پتھر کو چوما جاتا ہے......جس کے گرد والہانہ طواف کیا جاتا ہے......جس کا تبرک آب زم زم پیا جاتا ہے......جس کا سفر کرنے کے لیے خاص طرح کا سفید لباس (احرام) پہنا جاتا ہے...... وہ ہے عرش والے داتا کا دربار، جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے...... باقی دنیا میں جتنی بھی مسجدیں ہیں، ان سب کا تعلق دراصل اسی دربار کے ساتھ ہے۔ اگر ان مسجدوں کا تعلق اس دربار کے ساتھ نہ رہے تو یہ مسجدیں ...... مسجدیں نہ رہیں گی، یہ کچھ اور ہو جائیں گی۔ باقی میرے بھائی! ...... یہ جواب ہم نے فوت شدہ بزرگ کا دربار دیکھا ہے تو یہاں پر تو ساری اس اصلی مکہ مکرمہ والے داتا دربار کی نقالی ہے۔

اسے منوں کے حساب سے عرق گلاب کا غسل دیا جاتا ہے، لوگ عرق پیتے اور چہروں پر ملتے ہیں۔ اسی طرح سبز چادریں چڑھائی جاتی ہیں، اس کے ساتھ لپٹ کر آہ وزاری کی جاتی ہے۔ اس کے پتھروں کو چوما جاتا ہے، یہاں دودھ کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں اور تبرک کھائے جاتے ہیں۔ سبز لباس پہنے جاتے ہیں اور دور دراز سے اس کی زیارت کا قصد کر کے اس کا سفر اختیار کیا جاتا ہے۔ اس دربار کی مسجد کا تعلق رسمی طور پر تو مکہ والے اصلی داتا دربار کے ساتھ ہی ہے مگر نام کی مشہوری کے اعتبار سے اور عملی طور پر اسی نقلی داتا دربار کے ساتھ اس کا تعلق جوڑ دیا گیا ہے......تو میرے بھائی! آیئے!...... دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ایک بار ہر ایک کو وہاں لے جائے اور سب مل کر اس بات کی کوشش کریں کہ لوگوں کے رخ نقلی داتا درباروں سے موڑ کر اسی اصلی داتا دربار کی طرف موڑیں۔ (ان شاء اللہ!)

باب نمبر۸

مسلمانوں کے ''ولی'' عیسائیوں کے ''سینٹ''

جسے داتا دربار کہتے ہیں، اس کے ساتھ ہی پیر مکی دربار ہے، یہاں لگے ہوئے ایک سٹال پر میں نے تصاویر دیکھیں تو......

ایک تصویر میں سندھ کے شہباز قلندر کا مزار بنا ہوا ہے اور قلندر صاحب مزار کے سامنے ڈانس کر رہے ہیں۔ ساتھ ایک شخص ڈھول بجا رہا ہے جبکہ پہلو میں ایک بڑے بزرگ کی تصویر دکھائی گئی ہے۔ جبکہ اوپر لکھے ہوئے شعر سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کس کی تصویر ہے۔ شعر یہ ہے ۔

دما دم مست قلندر، علی دا پہلا نمبر
علی شہباز قلندر

ایسے ہی یہ ایک دوسری تصویر ہے، اس میں بنے ہوئے مزار پر لکھا ہے ''روضۂ مبارک کانواں والی سرکار گجرات'' اور پھر کانواں والی سرکار کو یوں دکھایا گیا ہے کہ وہ صرف پہلوانوں والی ایک لنگوٹی پہنے ہوئے ہے، داڑھی سے نیچے تک مونچھیں لٹکائے ہوئے، اردگرد کووں کو بٹھائے ہوئے، انھیں کچھ کھلا رہا ہے۔ جبکہ ساتھ بیٹھا ہوا خلیفہ ہاتھ میں کڑا ڈالے ہوئے آٹا گوندھ کر کووں کو کھلا رہا ہے، دو چھکے بھی موجود ہیں اور ان پر بھی کوے بیٹھے ہیں۔

یعنی سارے کام شرع کے خلاف ...... اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت والے، یہ ولیوں

کے کام...... تو ولی صاحب کی مونچھیں داڑھی سے بڑھ گئیں۔ آپ ﷺ نے کچا پیاز کھانے والے کو مسجد میں جانے سے منع کیا تو یہاں خیر سے بدبو کا بادشاہ حقہ پیا جا رہا ہے اور پورا بدن سوائے لنگوٹی کے ننگا کر دیا جاتا ہے، شرم وحیا کا جنازہ نکال دیا جاتا ہے تو تب بھی یہ ولی رہتا ہے اور کام اس کا کیا ہے؟...... کووں کو آٹا ڈالنا۔

یہ ایک تیسری تصویر ہے، اس میں موہڑہ شریف کے تین ولیوں کو دکھلایا گیا ہے یعنی پیر محمد قاسم، پیر ہارون رشید اور پیر نظیر احمد صاحب۔ پیر نظیر تو اس قدر موٹا ہے کہ نہ جانے بیٹھا کیسے ہے!!!

یہ حجرہ شاہ مقیم کے اولیاء ہیں، ان کی تعداد پانچ ہے، ایک بچہ ہے، ایک داڑھی والا ہے، باقی تینوں داڑھی منڈے ہیں، مونچھوں والے ہیں، مگر ہیں ولی حتیٰ کہ ایک داڑھی منڈے نوجوان کی تصویر پر لکھا گیا ہے: ''پیر بہاول شیر قلندر پاک'' اور جو بڑا بزرگ داڑھی منڈا ہے، اس کے کندھے پر باز بیٹھا ہے۔ مجھے اس بات سے بڑی حیرانی ہوئی ہے کہ ان بزرگوں کے پاس کوے، باز، سانپ اور شیر یعنی درندے ہی دکھائی دیتے ہیں، وہ کہ جنھیں اسلام نے ناپاک اور نجس قرار دیا ہے، نہ جانے اس کی کیا وجہ ہے؟

یہ ایک اور پنج تنی تصویر ہے۔ یہ حضرت چن پیر کے دربار پر بنائی گئی ہے۔ یہ سارے داڑھی منڈے ہیں۔ ایک آٹھ دس سالہ بچہ بھی ہے جس کا نام کچھ یوں لکھا گیا ہے: ''حضرت جناب علی ماہی پیر گیلانی'' اور جو چن پیر ہے، اس کی مونچھیں موجود اور داڑھی غائب ہے، نام اس طرح سے لکھا گیا ہے: ''شبیہ حضرت جناب فیض مآب امیر حیدر امام عرف چن پیر گیلانی'' اور ایک دوسرے بزرگ کا نام یوں لکھا ہوا ہے: ''اعلیٰ حضرت جناب فیض مآب پیر اصغر علی شاہ گیلانی، المشہور بودیاں والے''...... یہ داڑھی منڈے اولیاء ہیں، حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی تاکید کے ساتھ بار بار مختلف الفاظ میں داڑھی رکھنے اور بڑھانے کا حکم دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے آپ ﷺ کے احکامات۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) «وَأَعْفُوا اللِّحٰی»

''داڑھی کو معاف کردو۔''

(۲) ((أَوْفُوْا اللِّحٰی))

''داڑھیوں کو پورا رکھو۔''

(۳) ((أَرْخُوْ االلِّحٰی))

''داڑھیوں کو لٹکاؤ۔''

(صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب خصال الفطرہ)

مگر ستم بالائے ستم یہ کہ اس پیغمبر کے امتی کہلانے والے داڑھی منڈے ولی بن گئے ہیں ''فیض مآب'' بن گئے ہیں۔

اسی طرح ایک تصویر اس طرح ہے کہ چھ دربار دکھلا کر چھ ولی دکھلائے گئے ہیں۔ یہ ولی محبوب علی دہلوی، بوعلی اجمیر والے، معین الدین چشتی، قطب اللہ دہلوی، بابا فرید گنج شکر اور پیر عبدالقادر جیلانی ہیں۔ یہ چھ بزرگ اکٹھے بیٹھے ہیں۔ نیچے کشتی بنائی گئی ہے، ساتھ عورت دعا میں مصروف ہے اور پھر بغداد والے پیر عرف گیارہویں والے کا ہاتھ کشتی کے پیچھے نمودار ہوتے دکھلایا گیا ہے۔ اسی منظر کو ایک دوسری تصویر میں مزید وضاحت سے پیش کیا گیا ہے اور لکھ دیا گیا ہے ''یا غوث اعظم دستگیر ما'' یعنی اے ہمارا ہاتھ پکڑنے والے، بہت بڑے فریاد کو پہنچنے والے! اور یہ شعر بھی لکھا گیا ہے۔ ؎

لے یار ہویں والے دا ناں
تے ڈبی ہوئی ترپئے گی

پیر بغداد والے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تصاویر:

بغداد کا صدام حسین جو کہ بقول میاں نورانی گیارہویں دیتا ہے اور وہ سید صدام حسین کاظمی ہے، وہ برباد ہوگیا، خلیج میں اس کے بیڑے ڈوب گے، مگر کوئی بھی ترا نہ سکا۔ بیڑیاں اور بیڑے کیا ترتے، یہاں تو خود پیر بغداد کا اپنا مزار بھی جہازوں کی بمباری سے محفوظ نہ رہا،

اس کے مینارے تڑاخ کر کے ٹوٹ گئے ،غرض یہ ایک واقعہ تھا جو ہو چکا۔اللہ نے دکھلا دیا کہ کوئی مشکل کشا اور دستگیر نہیں ،جس کا جی چاہے اس سے نصیحت پکڑے۔غرض ان چھ بزرگوں کے نیچے پھر ایک بزرگ ہاتھ میں سانپ پکڑے شیر پر سوار ہے اور اس کے سامنے ایک ولی حضرت منسا دیوار پر بیٹھا ہے اور دیوار چلنے لگی ہے۔

یہ ایک تصویر ہے۔اس میں ۵۷ ولیوں کی تصاویر ہیں۔سب سے بڑی گیارہویں والے پیر کی ، دوسرے نمبر پر جناب حضرت علی ہجویری کی اور ان کے علاوہ دیگر تمام ولی مع ننگے پونگے، ان میں وہ بھی ہیں کہ جن کی طرف دیکھ کر بچہ ڈر جائے اور وہ بھی کہ جن کی نہ داڑھی نہ مونچھ، نہ سر کے بال اور نہ لنگوٹی کے سوا کچھ اور......

پھر اس بت پرستی کا ایک اور شاہکار بھی ہے۔ یہ بابا تاج الدین ناگپوری ہے اور اس کے سامنے ایک عورت بیٹھی ہے ۔ چنانچہ ایک ولی خاتون کی تصویر رہ گئی تھی، اس کی کسر بھی پوری کر دی گئی۔

قارئین کرام ! یہ تو تھی ولیوں کی داستان ، یہ لوگ اس سے آگے بڑھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم تک جا پہنچے۔انھوں نے کربلا کا نقشہ کھینچا،حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے پر روتے دکھلایا گیا ہے، زخمی گھوڑے کو دکھلا کر اوپر شہید کربلا اور شام غریباں لکھ دیا۔

ایک دوسری تصویر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصویر بنا کر ''یاعلی مدد شیر خدا'' لکھ دیا ہے۔

ان پاکباز لوگوں کی تصاویر بنا کر یہیں پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ یہ لوگ اور آگے بڑھے ، حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی بنائی اور لکھ دیا ''کشتی حضرت نوح علیہ السلام'' درندے، پرندے، چرندے اور انسان اس کشتی میں داخل ہو رہے ہیں۔حضرت نوح علیہ السلام کشتی کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے اس میں سوار ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔سامنے پہاڑ پر ان کا بیٹا چڑھ رہا ہے۔

جد الانبیاء ، خلیل الرحمان ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر بھی بنا دی گئی ہے۔ دائیں ہاتھ میں چھری دکھائی گئی ہے اور اس کے نیچے دنبہ کھڑا ہے جب کہ بایاں ہاتھ بچے کے پیٹ پر

ہے، جس کی ٹانگیں رسی کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں اور آنکھوں پر پٹی ہے۔ اوپر سے عورت کی شکل کا فرشتہ دکھلائی دے رہا ہے، جو نازل ہو رہا ہے۔

مشرکین مکہ نے بھی ابراہیم علیہ السلام کی ایسی ہی تصاویر بنا رکھی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَبٰى أَنْ يَّدْخُلَ الْبَيْتَ وَ فِيْهِ الاٰلِهَةُ فَاَمَرَ بِهَا فَأُخْرِجَتْ فَأُخْرِ جَ صُوْرَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمَاعِيْلَ فِي اَيْدِيْهِمَا مِنَ الْاَزْلَامِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ لَقَدْ عَلِمُوْا مَا اسْتَقْسَمَا بِهَا قَطُّ))

(صحيح بخارى، كتاب المغازى باب اين ركز النبى صلى الله عليه وسلم الراية يوم الفتح: ٤٢٨٨)

"جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور مشرکین کے معبودوں کو نکالنے کا حکم دیا، تو انھیں نکال دیا گیا بیت اللہ میں سے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی تصاویر بھی نکال دی گئی۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں تیر تھے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ انھیں تباہ کرے انھیں علم ہے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے کبھی تیروں سے فال نہیں نکالی۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا علیہا السلام کی تصاویر بھی بنا دی گئی ہیں اور وہ منظر پیش کیا گیا ہے کہ جب شجر ممنوعہ چکھنے سے جنتی لباس اتر گیا اور پھر جنت کے پتوں سے اپنے آپ کو دونوں ڈھانپنے لگے۔ اب آپ خود اندازہ کر لیں کہ اس منظر کشی کی تصویر کیسی ہو گی؟ ......اس موضوع پر ہندوؤں نے بالکل ننگی اور فحش فلمیں بھی بنا ڈالی ہیں کہ جس میں حضرت آدم اور اماں حوا علیہا السلام کو برہنہ حالت میں دکھایا گیا ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو غیرت کیا آنا تھی!! ان قبوری حضرات نے ان کی دیکھا دیکھی ان کی نیم برہنہ تصاویر بنانے کی جسارت کر ڈالی۔ قارئین کرام! انبیائے کرام اور اصحاب عظام رضی اللہ عنہم

کے یہ توہین آمیز مناظر لندن میں نہیں بن رہے کہ جہاں شیطان رشدی نے شیطانی حرکتیں کیں بلکہ یہ سب کچھ پاکستان میں چھپتا ہے اور درباروں کے سائے تلے بکتا ہے۔ اسی طرح خانقاہی اور درباری ولیوں کی تصویریں اس طرح بنائی جاتی ہیں کہ اب (نعوذ باللہ) اللہ کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ شرک کا کاروبار، بت فروشی کا یہ دھندا جب گھر گھر پہنچ کر دیواروں کے ساتھ سجتا ہے، الماریوں اور شیشے کے فریموں میں جڑتا ہے تو درباروں اور خانقاہوں کی رونقوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ کہیں محکمہ اوقاف کی تجوریاں بھرتی ہیں تو گدی نشین اور سجادہ نشین بھی لوگوں کے مال و دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں، ایمان بھی برباد کرتے ہیں اور عزت ہاتھ لگ جائے تو اسے بھی بالعموم جانے نہیں دیتے۔ جب کوئی پکڑا جاتا ہے تو کہتے ہیں ''جعلی پیر تھا'' جبکہ اصل بات یہ ہے، جو کسی نے خوب کہی ہے کہ ''مرزا پکڑا گیا اور گندا ہو گیا جبکہ باقی رانجھا اور مجنوں وغیرہ...... پکڑے نہیں گئے، اس لیے وہ عاشق صادق بن گئے۔'' باقی اس گٹر میں جو بھی اترے ہیں اور جو گٹر میں اتر جائے بھلا اس کے کپڑے سلامت کب رہتے ہیں؟ تو یہ حال ان پیروں کا ہے جو کہ سارے ہی جعلی ہیں، اصل تو ہوتا ہی کوئی نہیں، کیونکہ اسلام میں اس کی اصل کا وجود ہی نہیں، یہ درباری اور خانقاہی بیماری عیسائیوں سے ہی ادھر آئی ہے اور جس انجام سے وہ دوچار ہوئے ہیں اسی انجام سے یہ گزر رہے ہیں۔ بس ڈھکنا اٹھانے کی ضرورت ہے، دیکھیے کون اللہ کا بندہ یہ کام کرتا ہے......؟ مگر عیسائیوں کا جو ڈھکنا اٹھ چکا ہے، وہ تو ملاحظہ کیجیے! مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے تفہیم القرآن میں سورۂ حدید کی آیت:

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ ﴿٢٧﴾ (الحدید:٢٧)

''اور صوفیت انھوں نے خود ایجاد کر لی جسے ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔''

اس کی تشریح کرتے ہوئے عیسائیوں کے درباری اور خانقاہی نظام کی کچھ جھلکیاں پیش کی ہیں، وہ ملاحظہ کیجیے۔

عیسائی راہبوں کی عجیب وغریب باتیں:

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں میں رہبانیت کا آغاز مصر سے ہوا۔ اس کا بانی سینٹ انتھونی (St.Anthony) تھا، جو ۲۵۰ء میں پیدا ہوا اور ۳۵۰ء میں دنیا سے رخصت ہوا۔ اسے پہلا مسیحی راہب قرار دیا جاتا ہے۔ اس نے فیوم کے علاقے میں پسپیر کے مقام پر (جواب دیر المیمون کے نام سے معروف ہے) پہلی خانقاہ قائم کی۔ اس کے بعد دوسری خانقاہ اس نے بحر احمر کے ساحل پر قائم کی، جسے اب ''دیر مارا نطونیوس'' کہا جاتا ہے۔ عیسائیوں میں رہبانیت کے بنیادی قواعد اس کی تحریروں اور ہدایات سے ماخوذ ہیں۔ اس کے آغاز کے بعد یہ سلسلہ مصر میں سیلاب کی طرح پھیل گیا اور جگہ جگہ راہبوں اور راہبات کے لیے خانقاہیں قائم ہوگئیں، جن میں سے بعض میں تین تین ہزار راہب بیک وقت رہتے تھے۔ ۳۲۵ء میں مصر ہی کے اندر ایک اور مسیحی ولی پاخمیوس نمودار ہوا، جس نے دس بڑی خانقاہیں راہبوں اور راہبات کے لیے بنائیں، اس کے بعد یہ سلسلہ شام وفسطین اور افریقہ و یورپ کے مختلف ملکوں میں پھیلتا چلا گیا۔ کلیسائی نظام کے ابتدائی دور میں اس رہبانیت کے معاملہ میں سخت الجھن پیش آئی کیونکہ وہ ترک دنیا، تجرد اور غریبی ومفلسی کو روحانی زندگی کا آئیڈیل تو سمجھتا تھا، مگر راہبوں کی طرح شادی بیاہ اور اولاد پیدا کرنے اور ملکیت رکھنے کو گناہ بھی نہ ٹھہرا سکتا تھا۔ بالآخر سینٹ آتھاناسیئیوس (متوفی ۳۷۳ء)، سینٹ باسل (متوفی ۳۷۹ء)، سینٹ اگسٹائن (متوفی ۴۳۰ء) اور گریگوری اعظم (متوفی ۶۰۹ء) جیسے لوگوں کے اثر سے رہبانیت کے بہت سے قواعد چرچ کے نظام میں باقاعدہ داخل ہوگئے۔

اس راہبانہ بدعت کی چند خصوصیات تھیں جنہیں ہم اختصار کے ساتھ یہاں بیان کرتے ہیں۔

پہلی خصوصیت سے متعلق:

سخت ریاضتوں اور نت نئے طریقوں سے اپنے جسم کو اذیتیں دینا۔ اس معاملہ میں ہر راہب دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ عیسائی اولیاء کے تذکروں میں ان

لوگوں کے جو کمالات بیان کئے گئے ہیں وہ کچھ اس قسم کے ہیں۔ اسکندریہ کا سینٹ مکاریوس ہر وقت اپنے جسم پر ۸۰ پونڈ کا بوجھ اٹھائے رکھتا تھا۔ ٦ ماہ تک وہ ایک دلدل میں سوتا رہا اور زہریلی مکھیاں اس کے برہنہ جسم کو کاٹتی رہیں۔ اس کے مرید سینٹ یوسیپوس نے اپنے پیر سے بھی بڑھ کر ریاضت کی۔ وہ ۱۵۰ پونڈ کا بوجھ اٹھائے پھرتا تھا اور ۳ سال تک ایک خشک کنویں میں پڑا رہا۔ سینٹ سابیوس صرف وہ مکئی کھاتا تھا جو مہینہ بھر پانی میں بھیگ کر بدبودار ہو جاتی تھی۔ سینٹ بیساریون ۴۰ دن تک خاردار جھاڑیوں میں پڑا رہا اور ۴۰ سال تک اس نے زمین پر پیٹھ نہیں لگائی۔ سینٹ پاخومیوس نے ۱۵ سال اور ایک روایت کے مطابق ۵۰ سال زمین پر پیٹھ لگائے بغیر گزار دیے۔ ایک ولی سینٹ جان تین سال تک عبادت میں کھڑا رہا۔ اس پوری مدت میں وہ نہ کبھی بیٹھا نہ لیٹا۔ آرام کے لیے بس ایک چٹان کا سہارا لے لیتا تھا۔ اس کی غذا صرف وہ تبرک تھا جو ہر اتوار کو اس کے لیے لایا جاتا تھا۔ سینٹ سیمیون اسٹائلائٹ (۳۹۰ء، ۴۴۰ء) جو عیسائیوں کے اولیائے کبار میں شمار ہوتا ہے، ہر ایسٹر سے پہلے پورے چالیس دن فاقہ کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ پورے ایک سال تک ایک ٹانگ پر کھڑا رہا۔ بسا اوقات وہ اپنی خانقاہ سے نکل کر ایک کنویں میں جا رہتا تھا۔ آخر کار اس نے شمالی شام کے قلعہ سیمان کے قریب ٦٠ فٹ بلند ستون بنوایا جس کا بالائی حصہ صرف تین فٹ کے گھیرے میں تھا اور اوپر کٹہرا بنا دیا گیا تھا۔ اس ستون پر اس نے پورے تیس سال گزار دیے دھوپ، بارش، سردی اور گرمی سب اس پر سے گزرتی رہتی تھیں اور وہ کبھی ستون سے نہ اترتا تھا۔ اس کے مرید سیڑھی لگا کر اس کو کھانا پہنچاتے اور اس کی گندگی صاف کرتے تھے۔ پھر اس نے ایک رسی لے کر اپنے آپ کو اس سے باندھ لیا یہاں تک کہ رسی اس کے گوشت میں پیوست ہو گئی، گوشت سڑ گیا اور اس میں کیڑے پڑ گئے۔ جب کوئی کیڑا اس کے پھوڑوں سے گر جاتا تو اسے اٹھا کر پھر پھوڑے ہی میں رکھ لیتا اور کہتا ''کھا جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے۔'' 'مسیحی عوام' دور دراز سے اس کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ جب وہ مرا تو مسیحی عوام کا فیصلہ تھا کہ وہ عیسائی ولی کی

بہترین مثال تھا۔

اس طرح اولیاء کی جو خوبیاں بیان کی گئی ہیں وہ ایسی ہی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔ کسی ولی کی تعریف یہ تھی کہ ۳۰ سال تک وہ بالکل خاموش رہا اور کبھی اس کو بولتے نہ دیکھا گیا، کسی نے اپنے آپ کو ایک چٹان سے باندھ رکھا تھا۔ کوئی جنگلوں میں مارا مارا پھرتا اور گھاس پھوس کھا کر گزارہ کرتا۔ کوئی بھاری بوجھ ہر وقت اٹھائے پھرتا۔ کوئی طوق و سلاسل سے اپنے اعضاء جکڑے رکھتا۔ کچھ حضرات جانوروں کے بھٹوں، یا خشک کنووں، یا پرانی قبروں میں رہتے تھے اور کچھ دوسرے بزرگ ہر وقت ننگے رہتے اور اپنا ستر اپنے لمبے لمبے بالوں سے چھپاتے اور زمین پر رینگ کر چلتے تھے۔ ایسے ہی ولیوں کی کرامات کے چرچے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے اور ان کے مرنے کے بعد ان کی ہڈیاں خانقاہوں میں محفوظ رکھی جاتی تھیں۔ میں نے خود کوہ سینا کے نیچے کیتھرائن کی خانقاہ میں ایسی ہی ہڈیوں کی ایک پوری لائبریری سجی ہوئی دیکھی ہے۔ جس میں کہیں اولیاء کی کھوپڑیاں قرینے سے رکھی ہوئی تھیں، کہیں پاؤں کی ہڈیاں اور کہیں ہاتھوں کی ہڈیاں اور ایک ولی کا تو پورا ڈھانچہ ہی شیشے کی ایک الماری میں رکھا ہوا تھا۔

دوسرے عجوبے سے متعلق:

ان کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہر وقت گندے رہتے اور صفائی سے سخت پرہیز کرتے تھے۔ نہانا یا جسم کو پانی لگانا...... ان کے نزدیک خدا پرستی کے خلاف تھا، جسم کی صفائی کو وہ روح کی نجاست سمجھتے تھے۔ سینٹ اتھاناسیوس بڑی عقیدت کے ساتھ سینٹ اینتھنی کی یہ خوبی بیان کرتا ہے کہ اس نے مرتے دم تک کبھی اپنے پاؤں نہیں دھوئے۔ سینٹ ابراہام جب سے داخل مسیحیت میں داخل ہوا، پورے ۵۰ سال اس نے نہ منہ دھویا نہ پاؤں۔ ایک مشہور راہبہ کنواری سنویا نے عمر بھر اپنی انگلیوں کے سوا جسم کے کسی حصے کو پانی نہیں لگنے دیا۔ ایک کانونیٹ کی ۱۳۰ راہبات کی تعریف میں لکھا ہے کہ انھوں نے کبھی اپنے پاؤں نہیں دھوئے

اور غسل کا تو نام سن کر ہی ان کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

اس رہبانیت نے ازدواجی زندگی کو عملاً بالکل حرام کر دیا اور نکاح کے رشتے کو کاٹ پھینکنے میں سخت بے دردی سے کام لیا۔ چوتھی اور پانچویں صدی کی تمام مذہبی تحریریں اس خیال سے بھری ہوئی ہیں کہ تجرد سب سے بڑی اخلاقی قدر ہے اور عفت کے معنی یہ ہیں کہ آدمی جنسی تعلق سے قطعی احتراز کرے، خواہ وہ میاں بیوی کا تعلق ہی کیوں نہ ہو۔

پاکیزہ روحانی زندگی کا کمال یہ سمجھا جاتا تھا کہ آدمی اپنے نفس کو بالکل مار دے اور اس میں جسمانی لذت کی کوئی خواہش تک باقی نہ چھوڑے۔ ان لوگوں کے نزدیک خواہش کو مار دینا اس لیے ضروری تھا کہ اس سے حیوانیت کو تقویت پہنچتی ہے۔ ان کے نزدیک لذت اور گناہ ہم معنی تھے، حتیٰ کہ مسرت بھی ان کی نگاہ میں خدا فراموشی کے مترادف تھی۔ سینٹ باسل ہنسنے اور مسکرانے تک کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ انہی تصورات کی بنا پر عورت اور مرد کے درمیان شادی کا تعلق ان کے ہاں قطعی نجس قرار پا گیا تھا۔ پھر ان درباری اور خانقاہی ولیوں کی تاریخ میں یہ دور بھی آیا کہ روم کے ایک ولی کی وفات پر دو گروہوں نے پاپائی کے لیے اپنے اپنے امیدوار کھڑے کیے، دونوں کے درمیان سخت خونریزی ہوئی حتیٰ کہ ایک دن میں صرف ایک چرچ سے ۱۳۷ لاشیں نکالیں گئیں۔

فقر کے پردے میں دنیا پرستی:

اس ترک و تجرید اور فقر و درویشی کے ساتھ دولت دنیا سمیٹنے میں بھی کمی نہ کی گئی۔ پانچویں صدی کے آغاز ہی میں حالت یہ ہو چکی تھی کہ روم کا بشپ بادشاہوں کی طرح اپنے محل میں رہتا تھا اور اس کی سواری جب شہر میں نکلتی تھی تو اس کے ٹھاٹھ باٹھ قیصر کی سواری سے کم نہ ہوتے تھے۔ سینٹ جیروم اپنے زمانے (چوتھی صدی کے آخری دور) میں شکایت کرتا ہے کہ بہت سے بشپوں کی دعوتیں اپنی شان میں گورنروں کی دعوتوں کو شرماتی ہیں۔ خانقاہوں اور کنیسوں کی طرف دولت کا یہ بہاؤ ساتویں صدی (نزول قرآن کے زمانے) تک پہنچتے پہنچتے

سیلاب کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ یہ بات عوام کے ذہن نشین کرادی گئی تھی کہ جس کسی سے کوئی گناہ عظیم سرزد ہو جائے، اس کی بخشش کسی نہ کسی ولی کی درگاہ پر نذرانہ چڑھانے یا کسی خانقاہ یا چرچ کو بھینٹ دینے ہی سے ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد وہی دنیا راہبوں کے قدموں میں آرہی کہ جس سے فرار ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ خاص طور پر جو چیز اس تنزلی کا موجب ہوئی، وہ یہ تھی کہ راہبوں کی غیر معمولی ریاضتیں اور ان کی نفس کشی کے کمالات دیکھ کر جب عوام میں ان کے لیے بے پناہ عقیدت پیدا ہوگئی تو بہت سے دنیا پرست لوگ لباس درویشی پہن کر راہبوں کے گروہ میں داخل ہو گئے اور انھوں نے ترک دنیا کے بھیس میں جلب دنیا (دنیا کے حصول) کا کاروبار ایسا چمکایا کہ بڑے بڑے طالبین دنیا ان سے مات کھا گئے۔

فطرت کے خلاف جنگ کا نتیجہ:

عفت کے معاملہ میں بھی فطرت سے لڑ کر رہبانیت نے بارہا شکست کھائی اور جب شکست کھائی تو بری طرح کھائی۔ خانقاہوں میں نفس کشی کی کچھ مشقیں ایسی بھی تھیں جن میں راہب اور راہبات مل کر ایک ہی جگہ رہتے تھے اور بسا اوقات ذرا زیادہ مشق کرنے کے لیے ایک ہی بستر پر رات گزارتے تھے۔ مشہور راہب سینٹ ایواگریس (St.Evagrius) بڑی تعریف کے ساتھ فلسطین کے ان راہبوں کے ضبط نفس کا ذکر کرتا ہے جو اپنے جذبات پر اتنا قابو پا گئے تھے کہ عورتوں کے ساتھ یکجا غسل کرتے تھے اور ان کی دید سے، ان کے لمس سے، حتیٰ کہ ان کے ساتھ ہم آغوش ہونے سے بھی ان کے اوپر فطرت غلبہ نہ پاتی تھی۔ غسل اگرچہ رہبانیت میں سخت ناپسندیدہ تھا مگر نفس کشی کی مشق کے لیے اس طرح کے غسل بھی کر لیے جاتے تھے۔ آخر کار اسی فلسطین کے متعلق نیسا (Nyssa) کا سینٹ گریگوری متوفی ۳۹۶ء لکھتا ہے کہ وہ بدکرداری کا اڈا بن گیا ہے۔ انسانی فطرت کبھی ان لوگوں سے انتقام لیے بغیر نہیں رہتی جو اس سے جنگ کریں۔ رہبانیت اس سے لڑ کر بالآخر بداخلاقی کے جس گڑھے میں جا گری، اس کی داستان آٹھویں صدی سے گیارہویں صدی عیسوی تک کی مذہبی

تاریخ کا بدنماترین داغ ہے۔ دسویں صدی کا ایک اطالوی بشپ لکھتا ہے کہ ’’اگر چرچ میں مذہبی خدمات انجام دینے والوں کے خلاف بدچلنی کی سزائیں نافذ کرنے کا قانون عملاً جاری کر دیا جائے تو لڑکوں کے سوا کوئی سزا سے نہ بچ سکے گا اور اگر حرامی بچوں کو بھی مذہبی خدمات سے الگ کر دینے کا قاعدہ نافذ کیا جائے تو شاید چرچ کے خادموں میں کوئی لڑکا تک باقی نہ رہے۔‘‘ قرون متوسطہ کے مصنفین کی کتابیں ان شکایتوں سے بھری ہوئی ہیں کہ راہبات کی خانقاہیں بداخلاقی کے چکلے بن گئی ہیں ان کی چاردیواریوں میں نوزائیدہ بچوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ پادریوں اور چرچ کے مذہبی کارکنوں میں محرمات تک سے ناجائز تعلقات اور خانقاہوں میں خلاف وضع فطری جرائم تک پھیل گئے ہیں اور کلیساؤں میں اعتراف گناہ (Confession) کی رسم بدکرداری کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔

قارئین کرام! مسلمان صوفیاء کی عظمتوں کے جو نقشے ہم نے آپ کے سامنے رکھے انھیں بھی ملاحظہ کریں اور سوچیں کہ آج کس قدر اشترک پیدا ہو چکا ہے اور یہ مسلمانوں کے لیے کس قدر تباہ کن ہے۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے اور جو محفوظ ہیں انھیں غیر محفوظ لوگوں کو محفوظ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

وَ مَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ